احیائے اسلام اور امنِ عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جولائی 2018ء

# 27 واں سالانہ شہرِ اعتکاف

## شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے مثنوی مولانا رومؒ پر علمی، تربیتی اور روحانی دروس

## نظامِ انتخاب اور پاکستان عوامی تحریک کا موقف

## شہدائے ماڈل ٹاؤن کی چوتھی برسی

## ”ملزمان کو سرکاری عہدوں سے ہٹایا جائے“

انصاف بشکلِ قصاص کی قانونی جنگ آخری سانس تک جاری رہے گی

# 27واں سالانہ شہرِ اعتکاف 2018ء

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری معتکفین سے خطاب کر رہے ہیں

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

# ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد شمارہ 7 / شوال - ذوالقعدۃ 1439ھ / جولائی 2018ء

بفیضانِ نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤ الدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیرِ سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیرِ نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

چیف ایڈیٹر نور اللہ صدیقی

ایڈیٹر محمد یوسف

ڈپٹی ایڈیٹر محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد فاروق رانا، عین الحق بغدادی
محمد رفیق نجم، محمد ندیم چودھری

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم
جی ایم ملک، تنویر احمد خان، سرفراز احمد خان
منظور حسین قادری، غلام مرتضیٰ علوی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، پروفیسر محمد نصر اللہ معینی
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، علامہ شہزاد مجددی
محمد افضل قادری

کمپیوٹر آپریٹر محمد اشفاق انجم — گرافکس عبدالسلام
خطاطی محمد اکرم قادری — عکاسی قاضی محمود الاسلام

## حسنِ ترتیب


| | | |
|---|---|---|
| (اداریہ) نظامِ انتخاب اور پاکستان عوامی تحریک کا موقف | چیف ایڈیٹر | 3 |
| 27واں سالانہ شہرِ اعتکاف 2018ء۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے دروس مثنوی | | 5 |
| اہلِ سنت کے امتیازی اعتقادات | مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی | 23 |
| مدارس میں فرقہ وارانہ رجحانات کی افزائش: ایک المیہ | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری | 27 |
| لبرل ازم اور اس کے اثرات | عبدالجبار قمر | 31 |
| شہدائے ماڈل ٹاؤن کی چوتھی برسی | نور اللہ صدیقی | 36 |


ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبرشپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

قیمت فی شمارہ: 35 روپے
سالانہ خریداری: 350 روپے

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور Ext:128 UAN:042-111-140-140

## حمد باری تعالیٰ

دوسرا کون ہے، جہاں تو ہے
کون جانے تجھے، کہاں تو ہے

لاکھ پردوں میں، تو ہے بے پردہ
سو نشانوں میں بے نشاں تو ہے

تو ہے خلوت میں تو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں، کہیں عیاں تو ہے

نہیں تیرے سوا یہاں کوئی
میزباں تو ہے، مہماں تو ہے

نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ
جلوہ فرما یہاں وہاں تو ہے

رنگ تیرا چمن میں، بو تیری
خوب دیکھا تو، باغباں تو ہے

محرم راز تو بہت ہیں امیرؔ
جس کو کہتے ہیں راز داں تو ہے

(امیر مینائی)

## نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

چھاگئے ابر کرم، ہوگئے ختم ستم
مٹ گئے رنج و الم، آگئے شاہ امم
للہ اب کردو کرم

چھوڑ کر آپ کا در، جائیں سرکار کدھر
صدقہ حسنین کا دو ورنہ مرجائیں گے ہم
للہ اب کردو کرم

اے میرے سرور دیں، آپ سا کوئی حسیں
دونوں عالم میں نہیں، حسن یوسف کی قسم
للہ اب کردو کرم

آیا سدرہ کا مقام، بولا آقا سے غلام
کہ آگے بڑھ سکتا نہیں تیرے قدموں کی قسم
للہ اب کردو کرم

رک گئے روح الامیں، بولے یہ سرور دیں
کہ تیری منزل ہے یہی آگے اب جائیں گے ہم
للہ اب کردو کرم

آئے دن پھر سے بھلے قافلے طیبہ چلے
سب گئے رہ گئے ہم
للہ اب کردو کرم

ہوگا جب حشر بپا، انبیاء دیں گے صدا
مصطفیٰ ﷺ نظر کرم، مصطفیٰ ﷺ نظرم کرم

(سید نصیر الدین نصیرؒ)

# اداریہ

## نظامِ انتخاب اور پاکستان عوامی تحریک کا موقف

جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہونے والا پاکستان 70 سال کے بعد بھی حقیقی جمہوریت اور شفاف انتخابی نظام سے محروم ہے۔ اب تک جتنے بھی الیکشن ہوئے انہیں عوامی سطح پر شفافیت کی سندِ امتیاز نہیں مل سکی بلکہ اب تک کے انتخابات کے باعث جھرلو، دھن دھونس دھاندلی، ہارس ٹریڈنگ، انجینئرڈ، پری پول، پوسٹ پول دھاندلی، پنکچرز اور آراوز جیسی اصطلاحات عام ہوئیں۔ الیکشن کے اعلان کے ساتھ ہی مختلف قسم کی رگنگ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کیلئے سرکاری وسائل بھی بے دردی سے استعمال ہوتے ہیں، من پسند تقرر و تبادلہ کا کلچر بھی انتخابی نتائج پر اثر انداز ہوتا ہے۔ سیاسی مخالفین کی قتل و غارت گری، لوٹ کھسوٹ کے پیسے کا بے پناہ استعمال اور وفاداریاں بدلنے کیلئے جائز و ناجائز طریقوں کا استعمال انتخابی نظام کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ انتخابی نتائج کو تسلیم نہ کرنے اور دھاندلی جیسے الفاظ کے استعمال کی روایت 1971ء کے الیکشن میں ملتی ہے کہ جب مشرقی پاکستان کی 126 نشستوں میں سے عوامی لیگ نے 120 نشستیں حاصل کیں اور مغربی پاکستان کی 138 نشستوں میں سے 81 نشستوں پر پیپلز پارٹی نے کامیابی حاصل کی مگر یہ نتائج تسلیم نہیں کیے گئے، نتیجتاً پاکستان دولخت ہوگیا۔ 1971ء کے الیکشن کا سیاسی سبق یہ ہے کہ جب عوام کی رائے کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو پھر ملک اپنے وجود کو قائم نہیں رکھ پاتے، 1971ء کے بعد رائے عامہ کو تبدیل کرنے اور ہائی جیک کرنے کے طریقہ کار تو بدل گئے مگر پسندیدہ نتائج حاصل کرنے کی منفی اور غیر جمہوری سوچ جڑ پکڑتی چلی گئی۔ اسی طرح انتخابی تاریخ کے متنازعہ ترین الیکشن 1977ء میں بھی ہوئے۔ زبردستی بلا مقابلہ امیدوار منتخب کروائے گئے، امیدواروں کو اغواء کرنے کے واقعات بھی سامنے آئے، نتیجتاً جمہوریت کی بساط لپیٹ دی گئی۔ یہاں بھی سیاسی سبق یہی ہے کہ اگر عوام کو ان کے حقیقی نمائندے ان کی مرضی کے مطابق منتخب کرنے دیئے جاتے تو پاکستان تاریخ کے طویل ترین مارشل لاء کے منفی اثرات سے بچ جاتا اور مارشل لاؤں کے نتیجے میں پاکستان جن لاتعداد سیاسی، سماجی، معاشی برائیوں کی لپیٹ میں آیا ان سے کسی حد تک محفوظ رہا جا سکتا تھا۔

یہ بحث اس کے علاوہ ہے کہ آیا مرضی کے نتائج کے حصول کی کوشش میں پاکستان بار بار جمہوریت کی پٹڑی سے اترا یا اس کے پس پردہ بیڈ گورننس، کرپشن، سول آمریت کا قیام اور بادشاہانہ طرز حکمرانی کارفرما تھی۔ نظام انتخاب کو آئین کے مطابق روبہ عمل نہ لائے جانے کے باعث پاکستان عالمی سطح پر جگ ہنسائی کا باعث بنا اور پاکستان کا اسلامی، جمہوری تشخص بری طرح مجروح ہوا اور پاکستان کے عوام کے حق حکمرانی پر کاری ضرب لگی۔ مثلاً ایک شفاف اور مربوط انتخابی نظام نہ ہونے کے باعث بعض مواقع پر ایسے افراد بھی امپورٹ کیے گئے جو بظاہر تو پاکستانی تھے مگر عملاً ان کا پاکستان کے ساتھ کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ ان کے پاس پاکستان کا شناختی کارڈ تک نہیں تھا۔ اس کی ایک مثال معین قریشی ہیں۔ معین قریشی کے حوالے سے ایک واقعہ بیورو کریسی کے ہاں زیر بحث رہتا ہے کہ معین قریشی نے نگران وزیراعظم کے عہدے کا حلف اٹھانے کے بعد قصور میں اپنے والد گرامی کی قبر پر جانے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن کیلئے سب سے بڑا مسئلہ ان کے والد کی قبر کو تلاش کرنا تھا۔ بسیار غور وفکر کے بعد ڈسٹرکٹ ایڈمنسٹریشن اس نتیجے پر پہنچی کے کسی بھی پرانی قبر پر جس پر آمدورفت کئی دہائیوں سے معطل ہو، اس پر معین قریشی کے والد کا کتبہ نصب کر کے فاتحہ خوانی کروالی جائے اور پھر ایسا ہوا۔

2008ء کے الیکشن میں8 کروڑ12 لاکھ 13 ہزار 2 سو 48 ووٹوں میں سے 3 کروڑ 71 لاکھ 85 ہزار 9 سو 58 ووٹ جعلی قرار پائے۔ 2002ء کے الیکشن بھی کس ماحول اور اثرورسوخ میں ہوئے اور کس طرح وفاداریاں تبدیل کروا کر ایک ووٹ کی اکثریت سے حکومت بنائی اور چلائی گئی، یہ سیاسی معجزہ بھی پاکستان کی تاریخ کا ایک باب ہے۔ ہماری جمہوریت اور نظامِ انتخاب کتنا آئینی اور خودمختار ہے اس کا احاطہ چودھری شجاعت حسین کے اس دعویٰ سے کیا جا سکتا ہے انہوں نے متعدد بار ریکارڈ پر کہا کہ 2008ء کے الیکشن سے قبل ان کے پاس ایک اہم امریکی عہدیدار آئے جنہوں نے انہیں پیشگی آگاہ کیا کہ آئندہ انتخابات میں آپ کی پارٹی کو اکثریت حاصل نہیں ہو سکے گی یعنی کس نے حکومت بنانی ہے یہ الیکشن سے پہلے طے کر لیا جاتا ہے اور پھر بعدازاں الیکشن کا ڈھونگ رچایا جاتا ہے، 2013ء کے الیکشن میں دھاندلی بھی سب کے سامنے ہے، کم و بیش تمام جماعتوں نے اپنے مینڈیٹ کے چوری ہونے کی بات کی اور اس ضمن میں دھاندلی کی تحقیقات کیلئے سپریم کورٹ کی نگرانی میں ایک کمیشن بھی بنا جس نے بہرحال یہ کہا کہ بے ضابطگیاں ہوئیں اور کچھ کامیاب امیدوار اپنی سیٹوں سے محروم بھی ہوئے۔

موجودہ نظام انتخاب کا سب سے برا پہلو ووٹرز کی اکثریت کا پولنگ ڈے کے موقع پر پولنگ سے لاتعلق رہنا ہے اور آج کے دن تک کوئی ادارہ اس کا کوئی حل نہیں ڈھونڈ سکا کہ ملک کی کل آبادی کی تقدیر کے سیاہ و سفید کے فیصلے کے موقع پر لگ بھگ 50 سے 60 فیصد ووٹرز لاتعلق رہتے ہیں۔ 1985اور 1988ء میں پولنگ کی شرح 53فیصد تھی، 1990اور 1993ء میں یہ شرح کم ہو کر 40 فیصد رہ گئی، 1997ء میں پولنگ کی یہ شرح محض 32.49 فیصد تک محدود ہو گئی ،2002ء کے الیکشن میں پولنگ کی شرح محض 41.68 فیصد تھی، 2008ء میں پولنگ کی شرح صرف 40فیصد تھی۔ 2013ء کے الیکشن میں ٹرن آؤٹ 60فیصد رہا یعنی کہ 40فیصد بالغ آبادی نے اپنے ووٹ کے آئینی حق کا استعمال نہیں کیا۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک امر ہے۔ بقیہ 40 سے 50فیصد ووٹرز کس نظریے اور کس سوچ کے تحت اپنا ووٹ استعمال کرتے ہیں وہ بھی کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ اس میں بھی ذات، برادری، بریانی، سولنگ، نالی، تھانے، کچہری کا خوف،نقد رشوت اور ایک ماہ کے راشن کا اہم کردار ہوتا ہے۔ یہی وہ انتخابی جسم کو لاحق کینسر ہے جس کے علاج کیلئے پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اپنی بے مثال جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں، انہوں نے 2012ء میں پوری قوم کو متنبہ کیا تھا کہ سیاست کی بجائے ریاست بچائی جائے اور سیاست برائے ریاست ہونی چاہیے۔ انہوں نے نظام انتخاب کی اصلاح کیلئے اسلام آباد کی طرف لانگ مارچ بھی کیا اور پوری قوم کی توجہ غیر آئینی اور دھاندلی زدہ انتخابی نظام کی طرف مبذول کروائی۔ آئینی الیکشن کمیشن کی تشکیل اور آئین کے آرٹیکل 63/62 کو شفاف الیکشن کی کلید قرار دیا مگر افسوس اس بیداری شعور مہم کے نتیجے میں نظام انتخاب کی اصلاح اور آئین کے آرٹیکل 63/62 کو آئین کی روح کے مطابق نافذ کرنے کی بجائے انہیں کمزور کیا گیا۔ حال ہی میں سپریم کورٹ کی مداخلت پر آئین کے آرٹیکل 63/62 کے برخلاف تیار کیے گئے کاغذات نامزدگی کے ساتھ ایک بیان حلفی جمع کروانے کا حکم دیا گیا یعنی کہ جمہوریت کی جڑوں کو کمزور کرنے والے کوئی اور نہیں ہیں، وہی نام نہاد جمہوریت کے چیمپئنز ہیں جو بظاہر مارشل لاء کا راستہ روکنے کی بات کرتے ہیں مگر اپنی سیاسی بقاء، دھاندلی زدہ انتخابی نظام میں سمجھتے ہیں۔

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا آج بھی وہی موقف ہے کہ جب تک آئین کے مطابق انتخابات نہیں ہوتے اور عوام کو آزاد اور خودمختار ماحول میں ووٹ کے استعمال کا حق نہیں ملتا تب تک حقیقی جمہوریت سے ہم کوسوں دور رہیں گے اور ملک منی لانڈررز، انتہا پسندوں، دہشتگردوں کے ہمدردوں، کرپٹ عناصر اور ذات برادری کی سیاست کرنے والوں کے چنگل میں پھنسا رہے گا۔ (چیف ایڈیٹر)

منہاج القرآن کے زیر اہتمام شہر اعتکاف

# تزکیہ نفس، فہم دین، اصلاحِ احوال، توبہ اور آنسوؤں کی بستی

## 27 ویں سالانہ شہرِ اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے مثنوی مولانا رومؒ پر علمی و روحانی دروس

رپورٹ: محمد یوسف منہاجین، محبوب حسین

تجدید دین و احیائے اسلام کی عالمی تحریک، تحریک منہاج القرآن کو یہ سعادت و اعزاز حاصل ہے کہ اس کے زیر اہتمام حرمین شریفین کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اجتماعی اعتکاف منعقد ہوتا ہے۔ یہ شہرِ اعتکاف شیخ المشائخ قدوۃ الاولیاء حضور سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادیؒ کی روحانی قربت و معیت اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ کی صحبت و اندازِ تعلیم و تربیت کی بناء پر منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ اعتکاف قرآن، حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیمات پر مبنی ہونے کی بناء پر تعلیم و تربیت کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔

تحریک منہاج القرآن نے اجتماعی اعتکاف کی اس سنت کو زندہ کرکے عالم اسلام میں نئے ایمانی جذبوں کی تحریک پیدا کردی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ مرکز حرمین شریفین کے بعد عالمِ اسلام کی سب سے بڑی اعتکاف گاہ بن گیا ہے۔ اعتکاف کا مقصد تعلق باللہ، ربطِ رسالت ﷺ، رجوع الی القرآن اور فکرِ آخرت پیدا کرنا ہے جو تنہا بیٹھنے کی بجائے اجتماعی اعتکاف کے ذریعے زیادہ موثر انداز میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ تنہائی و گوشہ نشینی الا ماشاء اللہ عام شخص کو انتشارِ خیالی اور غفلت کا شکار بھی کردیتی ہے۔

اس شہرِ اعتکاف میں تلاوت، ذکر و اذکار، نعت خوانی، درس و تدریس کے حلقہ جات، نوافل اور وظائف ایک خاص شیڈول کے مطابق معتکفین کے ذوقِ عبادت کو بڑھانے کی غرض سے منظم انداز میں بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ اس دوران ان کی فکری و نظریاتی اور اخلاقی و روحانی تربیت کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ وہ اخلاص و للّٰہیت سے معمور ہوکر مزید بہتر انداز میں معاشرے میں ایک مثبت کردار ادا کرسکیں۔ یہ اجتماعی اعتکاف نہ صرف اللہ رب العزت کے حضور اجتماعی توبہ اور گریہ و زاری کا موقع فراہم کرتا ہے بلکہ غلامیِ مصطفیٰ ﷺ کو آقا ﷺ سے وفا کرنے تک لے جانے کا باعث بھی بنتا ہے۔

☆ امسال تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام 27 واں سالانہ اجتماعی اعتکاف 5 جون 2018ء کو منعقد ہوا جس میں اندرون و بیرون ملک سے ہزاروں خواتین و حضرات نے خصوصی شرکت کی۔ تزکیہ نفس، فہم دین، توبہ اور آنسوؤں کی اس بستی میں اللہ و رسول ﷺ کی رضا کے حصول کے لئے دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہزار ہا خواتین و حضرات معتکفین و معتکفات کا یہ اجتماع ہر پہلو اور ہر رنگ سے اپنی نظیر آپ تھا۔

☆ ناظم اعلیٰ محترم خرم نواز گنڈا پور (سربراہ اعتکاف کمیٹی)، محترم جواد حامد (سیکرٹری اعتکاف کمیٹی) اور 35 انتظامی کمیٹیوں کے سربراہان و ممبران نے اس شہرِ اعتکاف کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

☆ شہرِ اعتکاف میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین القادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین القادری، محترم صاحبزادہ حماد مصطفیٰ

المدنی، محترم احمد مصطفیٰ العربی اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والی نامور شخصیات، مشائخ عظام، علماء کرام، وکلاء، صحافی حضرات اور تحریک منہاج القرآن کی جملہ نظامتوں کے ناظمین اور مرکزی قائدین نے خصوصی شرکت کی۔

☆ شہر اعتکاف میں جملہ معتکفین و معتکفات کو باقاعدہ ایک شیڈول دیا گیا جس پر عمل کرنا ہر معتکف کے لئے ضروری تھا۔ اس شیڈول کے مطابق فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ نماز تہجد، نماز اشراق، نماز چاشت، اوابین اور دیگر نوافل کی ادائیگی کا ایک ماحول قائم تھا جس میں ہر معتکف ذوق وشوق کے ساتھ شریک رہا۔ علاوہ ازیں حلقہ ہائے درود، تربیتی حلقہ جات اور طاق راتوں میں محافل نعت کا خصوصی اہتمام بھی معتکفین کے ذوقِ عبادت، نورانیت و روحانیت کو جلا بخشنے کا ذریعہ بن رہے تھے۔

☆ شہر اعتکاف میں عامۃ الناس کو درپیش فقہی مسائل کا بھی دورِ حاضر کی ضروریات و تقاضوں کے مطابق ایک جامع اور مکمل حل پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہر روز باقاعدہ فقہی مسائل کی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں محترم مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی نے معتکفین کے فقہی سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے۔

☆ شہر اعتکاف میں معتکفین کی علمی و فکری اور روحانی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ یہ احباب اپنے انفرادی معمولات و معاملات کو بھی دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔ اس سلسلے میں نظامت تربیت کے زیر اہتمام قرآن مجید، عبادات و عقائد، اخلاق حسنہ اور فقہی مسائل پر مشتمل باقاعدہ اسلامی تربیتی نصاب مرتب کیا گیا۔ ان تربیتی حلقہ جات میں نظامت دعوت کے ناظمین، منہاجینز اور کالج آف شریعہ منہاج یونیورسٹی کے طلبہ نے معتکفین کو شیخ الاسلام کی کتاب اللباب فی الحقوق والآداب (حقوق و آداب)، خدمت دین کی اہمیت اور نظامت تربیت کا تیار کردہ قرآن مجید سے منتخب آیات، فضیلتِ علم، عبادات، محبتِ رسول، عقائدِ اسلامی اور فقہی مسائل پر مشتمل نصاب ''نصابِ زندگی'' سے لیکچرز دیئے۔

☆ معتکفین کی علمی و فکری آبیاری بھی تحریک منہاج القرآن کے زیراہتمام منعقدہ اس اجتماعی اعتکاف کا اہم خاصہ ہے۔ شہر اعتکاف میں معتکفین کی علمی وفکری اور ذہنی استعداد کو مزید اجاگر کرنے کے لئے تحریک منہاج القرآن کی جملہ نظامتوں اور فورمز منہاج القرآن یوتھ لیگ، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ، منہاج القرآن ویمن لیگ، نظامت دعوت و تربیت اور منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام بھی تربیتی نشستوں کا اہتمام کیا گیا۔ ان نشستوں میں محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری اور دیگر مرکزی قائدین و ناظمین نے مختلف موضوعات پر خصوصی لیکچرز دیئے۔ علاوہ ازیں کالج آف شریعہ، منہاج ایجوکیشن سوسائٹی اور منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کی مجموعی کارکردگی رپورٹس بھی شرکاء اعتکاف کے سامنے پیش کی گئیں۔

☆ اعتکاف کے دوران ایک طرف نماز تراویح میں محترم صاحبزادہ حماد مصطفیٰ المدنی اور حفاظ کرام نے اپنی خوبصورت آواز میں تلاوت قرآن مجید کے ذریعے معتکفین کے قلوب و ارواح کو قرآن مجید کے نور سے منور کیا اور دوسری طرف بعد از نماز تراویح منعقدہ محافل نعت میں محترم صاحبزادہ حماد مصطفیٰ المدنی، محترم صاحبزادہ احمد مصطفیٰ العربی، محترم محمد افضل نوشاہی، محترم خرم شہزاد، محترم شکیل احمد طاہر اور دیگر ثناء خوانانِ مصطفیٰ نے آقا ﷺ کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے شرکاءِ اعتکاف کے ایمان کو محبتِ مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے مزید روشنی اور جلا عطا کی۔

☆ اعتکاف کے دوران ناظم تربیت محترم علامہ غلام مرتضیٰ علوی اور نظامت تربیت کے دیگر سکالرز نے جملہ محافل میں نقابت کے فرائض احسن طور پر سرانجام دیئے۔

☆ شہر اعتکاف کی تمام علمی، فکری اور روحانی سرگرمیوں کی نشریات منہاج IT بیورو نے www.minhaj.tv کے ذریعے پوری دنیا میں براہ راست پیش کیں۔ اس طرح یہ شہر اعتکاف صرف جامع مسجد المنہاج بغداد ٹاؤن لاہور تک محدود نہ رہا بلکہ پوری دنیا سے لاکھوں سامعین و ناظرین

اس میں برابر شریک رہے۔

☆ علاوہ ازیں دوران اعتکاف ہی منہاج IT بیورو کی خصوصی کاوش سے متعارف ہونے والی Minhaj Tv Android Mobile App کے ذریعے بھی پوری دنیا میں شہر اعتکاف کی جملہ سرگرمیوں اور شیخ الاسلام کے خطابات کو سماعت کیا جاتا رہا۔

☆ امسال شہر اعتکاف میں 600 سے زائد چھوٹے معصوم بچے اور بچیاں اپنے والدین کے ہمراہ مسنون اعتکاف میں شریک ہوئے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ان تمام بچوں اور بچیوں کو اور ان کے والدین کو خصوصی مبارکباد اور دعاؤں سے نوازا۔ علاوہ ازیں شیخ الاسلام نے جملہ تنظیمات اور کارکنان کو بھی شہر اعتکاف میں اس قدر کثیر تعداد میں شرکت پر خصوصی مبارکباد دی۔

☆ اعتکاف کے دوران شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے درج ذیل مرکزی قائدین کو ان کی غیر معمولی کارکردگی پر گولڈ میڈلز اور شیلڈز سے نوازا۔ یہ اعزازات محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، محترم صاحبزادہ حماد مصطفیٰ المدنی اور محترم صاحبزادہ احمد مصطفیٰ العربی کے ہاتھوں سے دیئے گئے۔

گولڈ میڈلز حاصل کرنے والے مرکزی قائدین:

محترم خرم نواز گنڈا پور (ناظم اعلیٰ)، محترم جی ایم ملک (ڈائریکٹر DFA)، محترم سید الطاف حسین شاہ گیلانی (نائب ناظم اعلیٰ)، محترم جواد حامد (ڈائریکٹر ایڈمن و اجتماعات)، محترم سید مشرف علی شاہ (نگران گوشہ درود)، محترم احمد نواز انجم (نائب ناظم اعلیٰ)، محترم انجینئر محمد رفیق نجم (نائب ناظم اعلیٰ)، محترم رانا محمد ادریس (نائب ناظم اعلیٰ)، محترم سردار شاکر مزاری (نائب ناظم اعلیٰ)، محترم جاوید اقبال قادری (نظامت مالیات)، محترم حاجی منظور حسین (ڈائریکٹر پریس اینڈ پبلی کیشنز)، محترم عدنان جاوید (ناظم مالیات)، محترم مظہر محمود علوی (صدر یوتھ لیگ)، محترم عرفان یوسف (صدر MSM)، محترم علامہ غلام مرتضیٰ علوی (ناظم تربیت)، محترمہ فرح ناز (صدر ویمن لیگ)۔

شیلڈز حاصل کرنے والے مرکزی قائدین:

محترم نوراللہ صدیقی (ڈائریکٹر میڈیا)، محترم سید امجد علی شاہ (ڈائریکٹر MWF)، محترم سرفراز احمد خان (ناظم ممبر شپ)، محترم شہزاد احمد (سٹاف ممبر IT بیورو) اور محترم انس اعوان (سٹوڈنٹ منہاج یونیورسٹی) کے لیے منہاج TV کی موبائل App کی تیاری پر شیلڈز اور کیش پرائزز، مرکزی عہدیداران منہاج القرآن یوتھ لیگ، مرکزی عہدیداران مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ، مرکزی عہدیداران منہاج القرآن ویمن لیگ۔

☆ تمغہ استقامت: اعتکاف کے موقع پر مرکزی سیکرٹریٹ پر عرصہ دراز سے خدمات بجا لانے والے سٹاف کو بھی تمغہ استقامت سے نوازا گیا۔ اس سٹاف میں محترم قاضی فیض الاسلام (پرنسپل سیکرٹری چیئرمین سپریم کونسل)، محترم امتیاز حسین اعوان (سیکرٹری قبلہ آفس)، ڈرائیورز اور گارڈز شامل ہیں۔

☆ علاوہ ازیں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے منہاج القرآن انٹرنیشنل کی گلف میں موجود جملہ تنظیمات کو ان کی غیر معمولی خدمات پر شیلڈز سے نوازا۔

## شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے خطابات

معتکفین کے لئے اس اعتکاف کا ماحصل شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے خطابات ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنے علمی، فکری، روحانی، تربیتی اور تنظیمی امور میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ امسال شیخ الاسلام نے معتکفین کی علمی و روحانی آبیاری کے لئے ”دروس مثنوی مولانا روم“ اور دیگر اہم تربیتی موضوعات پر اظہار خیال فرمایا۔ ان تمام خطابات کے خلاصہ جات نذرِ قارئین ہیں:

## 1۔ ۲۱ ویں شبِ رمضان ۱۴۳۹ھ (5 جون)

ہر سال کی طرح امسال بھی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے شہرِ اعتکاف میں اپنا پہلا خطاب حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت کی مناسبت سے ”شانِ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ“ کے عنوان سے فرمایا۔ اس خطاب میں انہوں نے فرمایا کہ:

اہل بیت اطہار کون ہیں؟ حضرت علیؓ کا اہل بیت میں درجہ کیا ہے؟ ان کی محبت، قدر و منزلت حضور ﷺ کے فرامین میں کیا ہے؟ امت مسلمہ کا عقیدہ اس باب میں کیا ہے؟ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے اس لیے کہ کچھ سالوں سے اہل سنت کے نام پر فتنہ خارجیت پھر سر اٹھا رہا ہے۔ اس فتنہ کا سدِ باب انتہائی ضروری ہے۔

حضور ﷺ نے متعدد مقامات پر قرآن مجید اور اہل بیت کے ذکر کو اکٹھا جوڑ کر بیان فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

’’میں تمہارے اندر دو عظیم بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک قرآن مجید اور دوسری میری اہل بیت۔ اگر ان کا دامن تھام لو گے تو لن تضلوا بعدی. میرے بعد گمراہ نہ ہوں گے‘‘۔

ایک اور مقام پر آپ ﷺ نے فرمایا: اذکرکم فی اهل بیتی ’’میرے اہل بیت کے حقوق، ادب اور تعظیم میں کمی نہ کرنا اور اس حوالے سے اللہ سے ڈرتے رہنا۔

ان تمام فرامین سے ایک طرف یہ واضح ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنی اہلِ بیت سے کتنی محبت فرماتے اور دوسری طرف یہ امر بھی واضح ہو رہا ہے کہ قرآن اور اہل بیت کا رشتہ کبھی نہ کٹنے والا ہے۔ اہل بیت کی محبت اور حضرت علی اور حسنین کریمین ؑ بارے تذبذب میں رہنے والا منکرِ اہل بیت ہی نہیں بلکہ منکرِ قرآن بھی ہے۔ جو قرآن کا دامن تھامتا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ اہل بیت کا بھی دامن تھامے۔ افسوس! آج جب کوئی اہل بیت کی بات کرتا ہے تو اس پر شیعہ ہونے کی تہمت لگا دی جاتی ہے۔ یہ فتنہ خارجیت ہے، اس سے پریشان نہ ہوں۔ قرآن اور اہل بیت کو جوڑ کر بیان کرنا عقیدہ اہل سنت ہے۔

اہلِ بیت نبوی کے برابر کسی کو بنا کر کھڑا کر دینا اور دونوں کو برابر قرار دینا ممکن ہی نہیں۔ آقا ﷺ نے ’’ولا تقصروا‘‘ کے الفاظ کے ذریعے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اہل بیت کی شان میں کمی نہ کرنا، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اس لیے کہ ایمان کا مرکز و محور ہی یہ ہیں۔ ایسی تاکیدات حضور ﷺ نے اہل بیت کے علاوہ کسی کے لیے نہ فرمائی۔ ان فرامین کی موجودگی میں اہل بیت اطہار اور مولیٰ علی ؑ کے برابر میں ایسا نام ذکر کرنا جس سے ذہن ڈگمگائے اور دونوں کو برابر قرار دینا یہ ساری مداہنت اور منافقت ہے۔ یاد رکھیں خلفاء راشدین کی ترتیب حق ہے، آخری خلیفہ راشد حضرت علی ؑ اور حضرت امام حسن ؑ ہیں۔ لہٰذا کسی کو حضرت علیؓ کے برابر کھڑا کر دینا، دین پر حملہ اور دہشت گردی ہے۔

ہر وہ چیز جس کا حق ادا کرنا مشکل ہو، اس کو ثقل کہتے ہیں، اس لیے آقا ﷺ نے قرآن اور اہل بیت اطہار کو ثقلین کہا۔ جس کا مطلب ہے کہ ان کا حق ادا کرنا نہایت مشکل امر ہے۔

آج کے دور میں اہل بیت سے محبت و مودت کرنا آسان کام نہیں ہے۔ صحابہ کرام بھی اہل بیت کی محبت و تکریم کا بالخصوص اہتمام کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرمایا کرتے کہ لوگو! حضور ﷺ کی اہل بیت میں حضور ﷺ کو دیکھا کرو اور اہل بیت کے ذریعے حضور ﷺ کی شان کی حفاظت کرو، یعنی اہل بیت کو عزت دو، ان کو عزت دینا حضور ﷺ کو عزت دینا ہے۔ اہلِ بیت نبوت کی شان کی پہرہ داری کرنا، حضور ﷺ کی شان کی پہرہ داری کرنا ہے۔ مومن وہ ہے جو اہلِ بیت کے آئینہ میں حضور ﷺ کو دیکھے۔ آپ ﷺ کا چادر کے اندر اہلِ بیتِ اطہار کو چھپانا اس بات کا اعلان ہے کہ اب ان پر طعن و تشنیع کرنا مجھ پر حملہ کرنا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے درمیان کچھ اختلافات ہوئے مگر اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی ؑ ہی خلیفہ راشد تھے۔ جس نے بوجوہ آپ کی خلافت کو نہیں مانا، اس کے اس اقدام کو اہل سنت نے بالاجماع خروج اور بغاوت قرار دیا ہے۔ اس طبقہ کو حضور ﷺ نے بھی بغاوت قرار دیا ہے۔ اہلِ سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان اختلافات میں کسی کو کسی صحابی کی گستاخی کا حق حاصل نہیں۔ صحابہ کرام میں سے کسی پر طعن، لعن، سب و شتم، تکفیر و تفسیق جائز نہیں۔ جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ ؓ، حضرت علی ؑ کے خلاف ایک گروہ کو لیڈ کر رہے تھے۔ ان کے خلیفہ راشد حضرت علی ؑ کے خلاف اس اقدام پر اہل سنت کا موقف اعتدال پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ حضرت امیر معاویہ ؓ کے بارے کفِ لسان کا حکم ہے اور ان تمام مشاجرات میں حضرت علیؓ حق پر ہیں، حضرت امیر معاویہؓ کا موقف درست نہیں تھا۔

تمام ائمہ نے حضرت امیر معاویہ ؓ کے اقدام کو خروج اور

بغاوت قرار دیا ہے۔ کسی ایک کتاب میں بھی ائمہ اہل سنت نے ان کے اس عمل کی توثیق نہیں کی اور نہ ہی کسی نے ان کے عمل کا دفاع کیا۔ نہ ان کی تعریف کی اور نہ ان کے قصیدے پڑھے۔ 12 / 13 سو سال کی تاریخ میں کسی بھی علم کے امام نے ان کے عمل کی توثیق نہیں کی۔ ہر ایک نے ان کے عمل کو خروج کہا، مولیٰ علیؓ کو حق پر کہا اور حضرت امیر معاویہؓ کو مجتہد خاطی کہا اور ان کے بارے کفِ لسان کا حکم دیا۔ 13 سو سال سے ائمہ ان پر زبانِ طعن دراز کرنے سے روکتے رہے مگر آج افسوس ان کے نام کے ڈنکے بجائے جارہے ہیں، ان کے نام پر مسجدوں کے نام رکھے جارہے ہیں اور ان کو بے خطا قرار دیا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ دونوں صحابی تھے لہذا دونوں برابر ہیں۔ افسوس! تم نے کفِ لسان کے بجائے چپ توڑ دی اور ان کے بارے میں بولنا شروع کردیا جن کے بارے ائمہ چپ کراتے رہے۔

سن لیں! خلفائے راشدین کے بعد حضرت علیؓ کے مقابلے میں کسی کو کھڑا کرنے والا، اپنے ایمان کی جڑ کاٹتا ہے۔ صحابہ کرام میں فضیلت کے درجات ہیں، جس پر اہل السنّت کا اتفاق ہے۔ درجات کی اس ترتیب کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ دیگر خلفاء راشدین کے درجے کے ساتھ پہلا درجہ ہے جبکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ چونکہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے لہذا صحابہ میں فضیلت کے درجات کے مطابق امام حاکم کی قائم کردہ ترتیب کے مطابق ان کا گیارھواں درجہ ہے۔ اس طبقہ کا الطلقاء کہتے ہیں۔ عقیدہ طحاویہ کی شرح میں ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، یزید بن سفیان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تینوں طلقاء میں ہیں۔ جن کے لیے حضور ﷺ نے معافی کا اعلان کیا تھا۔ افسوس! آج ان کو مولیٰ علی کے سامنے اس طرح رکھیں کہ لوگوں کے دل ڈگمگا جائیں کہ وہ بھی صحابی، یہ بھی صحابی۔۔۔ یہ بھی سچے وہ بھی سچے۔۔۔ ایسا کرنا فتنہ ہے۔ خلافتِ راشدہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شامل نہیں، جو ان کو خلافتِ راشدہ میں شامل کرے وہ پرلے درجے کا جاہل اور بے علم ہے۔ خلافت حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق 30 سال ہے، اس کے بعد ملوکیت ہے اور حضرت علیؓ اور امام حسنؓ پر یہ 30 سال مکمل ہوجاتے ہیں۔ جو ان کے زمانہ کو خلافت کہے وہ حضور ﷺ کی حدیث کی نفی کررہا ہے۔ خلافتِ امیہ، خلافتِ عباسیہ کو عرفاً خلافت کہا جاتا ہے، درحقیقت یہ ملوکیت اور بادشاہت تھی۔ لہذا ہمیں شانِ اہل بیت اور شانِ حضرت سیدنا مولیٰ علی المرتضیٰؓ کے حوالے سے عقیدہ اہل سنت کے مطابق اپنے ایمان کی حفاظت کرنا ہوگی۔

☆ اس موقع پر شیخ الاسلام نے احادیث نبویہ، عقائد اور تاریخ کی کتب سے بھی اس حوالے سے متعدد حوالہ جات ارشاد فرمائے۔

## 2۔ ۲۲ ویں شبِ رمضان المبارک

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی شہرِ اعتکاف میں ارشاد فرمائی گئی دوسری گفتگو دو حصوں پر مشتمل تھی۔ گفتگو کے پہلے حصہ میں انہوں نے گذشتہ موضوع ''شانِ سیدنا علی المرتضیٰؓ'' ہی کو مکمل کیا۔ اس موقع پر انہوں نے فرمایا:

دو چیزیں کبھی نہ بدلیں: ا۔عقیدہ وفکر۔ ۲۔اخلاق سیرت و کردار۔ یہ دونوں قیامت کے دن تک نہ بدلیں، بقیہ ہر چیز بدلتے رہیں۔ اخلاق وسیرت میں وہی پرہیزگاری، تقویٰ، محبتِ الٰہی، عبادت، طاعت، عرفان، معرفت کی چمک رہے جو پہلے زمانوں میں تھی۔ اس طرح اکابر، ائمہ مجتہدین، مفسرین، فقہاء اور سلف صالحین کی کتب اور تعلیمات کے ذریعے جو عقیدہ ملتا ہے اس پر قائم رہیں اور اس میں رتی برابر تبدیلی گوارا نہ کریں۔

انسانی علوم، سائنسز ترقی کررہے ہیں مگر دین میں ترقی نہیں جو دین آقا ﷺ، صحابہ، اہل بیت، سلف صالحین دے گئے ان سے بہتر عقیدہ کوئی نہ دے گا۔ تیز رفتار بدلتی ہوئی زندگی میں عقیدہ پرانا رکھنا ہے۔ تن جدید دور میں داخل ہوتا رہے مگر مَن قدیم دور میں ہی رہے۔ میں انسانیت کو وہ بھولا ہوا سبق یاد دلا رہا ہوں جو نئے افکار کی آندھیوں نے بھلادیے ہیں۔

بتقاضائے بشریت صحابہ کے مابین بھی مشاجراتِ، حادثات، تنازعات، مخاصمت آگئی۔ یہ بشریت کا حصہ ہے۔ مشاجراتِ صحابہ کے حوالے سے اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کہنا غلط، مداہنت اور منافقت ہے کہ اُدھر بھی صحابہ اور ادھر بھی صحابہ لہذا دونوں حق پر تھے۔ یاد رکھیں! ائمہ دین اس معاملہ پر واضح تھے کہ کون حق پر تھا اور کون غلط تھا۔

عقائد، حدیث اور تاریخ کی کتب کی طرح کتب فقہ میں بھی اس موضوع پر دلائل موجود ہیں۔ حنفی مذہب کی مشہور کتاب ''الہدایہ''

میں امام مرغینانی نے کتاب ادب القاضی میں یہ سوال اٹھایا کہ اگر حکمران ناجائز طریقے سے اقتدار میں آئے اور وہ کسی ایسے شخص کو کو جج مقرر کرے جو جج/ قاضی بننے کے اہل بھی ہو تو کیا اس شخص کو یہ منصب قبول کرنا چاہئے یا نہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں کہ جج کو چاہئے کہ وہ منصب قبول کرے تاکہ عوام کے مسائل حل کرے اور لوگوں کی مشکلات حل کرے۔

اس کو بیان کر کے صاحبِ ہدایہ دلیل دیتے ہیں کہ صحابہ نے بھی حضرت امیر معاویہ ﷺ کے کہنے پر قاضی کے منصب سنبھالے حالانکہ حق علی کی طرف تھا۔

دوسری مثال صاحب الہدایہ نے یہ دی کہ حجاج بن یوسف ایک ظالم حکمران تھا مگر ان کے دور میں بھی تابعین نے قاضی کے طور پر منصبی ذمہ داریاں قبول کرلیں۔ لہٰذا اگر بندہ خود اہل ہو تو ذمہ داریاں لے لے۔

فتح القدیر میں امام ابن الھمام لکھتے ہیں کہ **ھذا تصریح بجور معاویہ**۔ یہ حضرت معاویہ کے دورِ حکمرانی کے جائر (مبنی بر ظلم) ہونے کی تصریح ہے۔ مراد یہ نہیں کہ وہ ظلم کرتے تھے بلکہ ان کا دور حکومت اس لیے جائر (مبنی بر ظلم) ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا تھا جبکہ حق بغیر کسی شک و شبہ کے حضرت علی ﷺ کی طرف تھا۔ اس موقع پر شیخ الاسلام نے العنایہ شرح الھدایہ، البنایہ علی الھدایہ (امام عینی)، کنزالدقائق، تبیین الحقائق، الدرر اور دیگر کتب فقہ سے کثیر دلائل دیتے ہوئے فرمایا کہ

آج اہلِ بیت اطہار کے ساتھ محبت کے عقیدہ کو متزلزل کیا جارہا تھا لہٰذا میرا فرض تھا کہ میں پردے اٹھاؤں اور معاملہ واضح کروں۔ ہم حضرت امیر معاویہؓ کے حوالے سے اسلاف کے عقیدہ پر عمل کرتے ہوئے کفِ لسان کریں گے، ان کے مرتبہ صحابیت کا احترام کریں گے لیکن ان جھنڈے نہیں اٹھائیں گے۔ جو ان کی منقبت کے جھنڈے اٹھاتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں، مساجد کے نام رکھتے ہیں وہ خارجیت کی طرف جھکاؤ رکھتے ہیں۔ لہٰذا رافضیت و خارجیت کی طرف نہ بڑھو بلکہ اعتدال اور اہل سنت کے ساتھ رہو۔ جس کو اُا الفئۃ الباغی ان کے فیضان کے نعرے لگانا اور ان کے عرس منانا کہاں کی سنیت ہے۔

بتقاضائے بشریت مغالطے، کوتاہیاں ہوتے ہیں۔ بعض صحابہ کرامؓ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے خلاف دوسری سمت کھڑے تھے۔ صحابہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ معصوم تھے۔ صرف اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے، صحابی اور ولی معصوم نہیں بلکہ محفوظ ہوتے ہیں۔ تاریخ کی کتب اس بات پر شاہد و عادل ہیں کہ صحابہ کرام میں دوسری طرف جانے والے یا تو تائب ہوگئے یا بعد ازاں افسوس کرتے رہے کہ میں مولیٰ علی کی طرف نہ جاسکا۔ کئی صحابہ جو آپ کے لشکر میں کسی عذر کی بناء پر شامل نہ ہوسکے وہ بھی افسوس کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مسبوقؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس تمام گفتگو کا مقصد اس معاملہ پر عقیدہ صحیحہ کو واضح کرنا تھا۔ امید کرتا ہوں کہ لوگ اس سے ہدایت کا راستہ لیں گے، رجوع کرلیں گے اور اصل عقیدہ کی طرف پلٹ آئیں گے۔ اللہ رب العزت اہلِ بیتِ اطہار کی جو خدمت کی اس کو قبول فرمائے۔

☆ شیخ الاسلام نے اپنی گفتگو کے دوسرے حصہ میں مثنوی مولانا رومؒ کے درس کا آغاز کیا اور ابتداء میں مولانا روم کے حالات و واقعات کو بالتفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

مولانا روم حضرت شمس تبریزؒ کی صحبت کے فیض سے قال سے حال میں ایسے داخل ہوئے کہ سلطان العارفین ہوئے اور دنیا کو صاحبِ حال کرنے کے لیے مثنوی لکھی۔ اس مثنوی کا آغاز وہ اس شعر سے کرتے ہیں:

؎ بشنو از نے چوں حکایت می کند
و ز جدائی ھا شکایت می کند

اے طالبِ حق! بانسری کی آواز سن وہ کیا کہانی بیان کرتی ہے اور کن کن جدائیوں کی شکایت کرتی ہے۔ اس کو کتنی جدائیاں لاحق ہیں جس پر روتی اور آہ و زاری کرتی ہے۔ ''نے'' سے مراد روحِ انسانی ہے۔ روح ایک وقت میں عالمِ ملکوت/ عالمِ ارواح میں رہتی تھی۔ جہاں اس روح کو کئی قربتیں حاصل تھیں۔ اللہ کی معرفت میں ہمہ وقت مشغول و مستغرق تھی لیکن وہاں سے جدا کر کے اسے بدن انسانی میں ڈال دیا گیا اور اس جدائی کی وجہ سے اِسے کئی جدائیاں ہوگئیں۔

ا۔ عالم ملکوت کی جدائی (فرشتوں اور روحوں کی سنگت)

۲۔ عالم جبروت، عالم ملکوت کے اوپر پڑوس میں ہے، اس عالم میں صفات الٰہیہ کے تجلیات اترتی تھیں۔ اس عالم کی بھی جدائی اسے سہنا پڑی۔

۳۔ عالم جبروت کے ساتھ عالم لاہوت ہے۔ جہاں ذات الٰہیہ کے انوار اترتے ہیں، اس عالم کی جدائی بھی درپیش تھی۔

اب روح کو وہ ساری جدائیاں یاد آتی ہیں۔

جب بندہ کسی ایک ماحول میں کچھ دن گزار کر جائے تو جانے کے بعد اُسے اس ماحول کے شب و روز یاد آتے ہیں، اسی طرح روح نے بھی چونکہ ایک خاص عرصہ عالم ارواح/ ملکوت میں گزارا لہٰذا اس بدن میں قید ہوجانے کے بعد اُسے وہ لمحات یاد آتے ہیں جب وہ معرفت و قربت کی رہتی تھی۔ پس ان لمحات کو وہ یاد کرکے روتی ہے۔

## 3۔۲۳ ویں شبِ رمضان المبارک

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے شہر اعتکاف کی تیسری رات میں مولانا رومؒ کے زمانہ کے سیاسی حالات اور آپ کی سیرت و کردار کے چند واقعات کو بیان فرماتے ہوئے سلف صالحین کے نزدیک تصوف کیا تھا؟ اس امر کو واضح کیا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا:

مولانا رومؒ کی پیدائش 604ھ میں ہے جبکہ وفات 672ھ میں ہوئی۔ اس زمانے میں تاتاری اور ہلاکو خان کا فتنہ پھیل چکا تھا۔ اسلامی سلطنت کی شمع بجھی جارہی تھی اور ہلاکو خان نے قونیہ/ ترکی کی طرف اپنا لشکر بھیج دیا تھا۔ اس وقت صوفیاء کرام کے وجود سے ہی شمعِ اسلام روشن تھی۔ قونیہ سلطان علاؤالدین سلجوقی کا دارالحکومت تھا۔

سلطان شمس تبریزؒ سے مولانا روم کی پہلی ملاقات کے بعد 6 ماہ تک دونوں ایک حجرہ میں تنہا رہے۔ وہ توجہ وفیض دیتے رہے اور یہ لیتے رہے۔ اب یہ مولانا روم مولائے روم ہو چکے تھے اور ''قال'' کی دنیا چھوڑ کر ''حال'' کی دنیا اپنا چکے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب عشقِ حقیقی کی بولی بولی جاتی اور اس کو سمجھنے والے لوگ بھی تھے۔ زبان عشقِ حقیقی کے راز بولتی تھی اور یہ راز سننے اور سمجھنے والے کان بھی تھے، ایسے موسم بھی تھے اور زمانہ بھی تھا۔ افسوس! اب رت بدل گئی، موسمِ خزاں ہے۔ نہ پھول ہے، نہ ہریالی ہے، حبس ہے، گھٹن ہے، تازگی نہیں ہے۔ سال کے بعد 10 دن کے لیے یہ خانہ (شہر اعتکاف) آباد ہوتا ہے اور دس دن اُس پرانی شراب کا جام یہاں چلتا ہے۔ ان 10 دنوں میں کوشش ہوتی ہے کہ پرانے زمانوں میں کھوجائیں اور اس زمانہ کو بھول جائیں۔ 10 دن کے بعد یہاں سے اس حال میں جائیں کہ بدل جائیں۔ میں خزاں کے موسم میں بہار لانا چاہتا ہوں۔ پت جھڑ میں پھول اگانے کی کوشش کرتا ہوں۔ یہ ایک عجیب کوشش ہے مگر میرے مولیٰ! تجھ سے بعید نہیں، یہ بستی تیرے کرم کی محتاج ہے۔ تیرے کرم سے کوئی زمانہ محروم نہیں رہا، تو چاہے تو ماضی کی بہاریں پلٹادے۔

اکابر اولیاء حضرت مولائے روم سے ملتے۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی سے آپ کی پہلی ملاقات 11 سال کی عمر میں ہوئی، بعد ازاں 40 سال کی عمر میں آپ نے شیخ اکبر سے تفصیلی ملاقاتیں کیں۔ حضرت صدرالدین قونوی، حضرت شاہ ابوعلی قلندر پانی پتی، شیخ شہاب الدین سہروردی سے بھی آپ کی ملاقات رہی۔ شیخ سعدی شیرازی، مولانا قطب الدین شیرازی اور دیگر اولیاء، علماء، صلحاء آپ کے ہم مجلس تھے۔ مولانا روم کے احوالِ ریاضت و مجاہدہ عدیم المثال تھا۔ آپ شب زندہ دار تھے۔ نماز کے وقت حالتِ استغراق میں ڈوب جاتے۔ بے تکلف تھے اس لیے کہ اللہ والوں کی طبیعت میں تصنع نہیں ہوتا۔ تواضع و انکساری بے پناہ تھی۔ کسی کو تکلیف دینا گوارا نہ کرتے۔ دوسروں کے آرام کا خیال کرتے۔

یہ اصل تصوف ہے اور صوفیاء کی زندگیوں کا وطیرہ ہے۔ صوفی، ریا، تکلف، جبہ و دستار، جلال سے نہیں بنتا بلکہ صوفی اس کردار سے بنتا ہے۔ اس کردار کا نام تصوف ہے، اس کردار سے ولایت جنم لیتی ہے، اس سے اللہ کی دوستی کا آغاز ہوتا ہے اور اس سے اس کی دوستی کمال کو پہنچتی ہے۔ اگر یہ نہیں تو وہ باقی سب کچھ ہے مگر تصوف نہیں ہے۔ صوفی خاندان سے نہیں بنتا بلکہ صوفی اِس مَن سے جنم لیتا ہے۔ صوفیاء تو کتوں کے آرام کا بھی خیال کرتے ہیں جب کہ ہم انسانوں کے آرام کا خیال نہیں رکھتے۔ اس بات کو اپنے من میں اتار لیں۔ یہ مولانا روم ہی کا مشرب نہیں بلکہ 14 سو سال کی تاریخ کے صوفیاء کا مشرب ہے۔

مثنوی مولانا رومؒ تقریباً 26ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں دین کا ہر مسئلہ شعر کی زبان میں سمجھا دیا گیا ہے۔ مولانا رومؒ نے دین، سلوک، زہد، عشق، تصوف سمجھانے اور لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے قیاسِ تمثیلی کے اسلوب کو اختیار کیا ہے۔ آپ تمثیلات، حکایات، اشارات کی زبان میں سمجھاتے ہیں پھر ان سے نصائح بیان کرتے ہیں۔

مثنوی کے ابتدائی اشعار میں مولانا روم نے اس امر کی جانب توجہ مبذول کروائی ہے کہ انسان بھی روح اور نفس کی کشمکش میں پھنسا ہوا ہے۔ نفس کی توجہ دنیا کی طرف ہے اور روح کی توجہ مولائے قلب کی طرف ہے۔ اس کشمکش میں بندہ ایک منزل بھی طے نہیں کرتا ہے۔ بندہ اس عالمِ ناسوت اور عالم ملکوت کے درمیان بھٹکتا رہتا ہے۔ منزل تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک سمت اختیار کی جائے اور غافل نہ ہوا جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

جب روح کے اندر یہ احساس پیدا ہوگا کہ میں لٹ گئی، میرا نقصان ہوگیا تب ہی وہ روئے گی اور یہ احساس تب ہوگا جب بندہ غفلت سے بیدار ہوگا۔

جب روح کو بیداری مل جائے تو اس کو احساس ہوتا ہے کہ میرا نقصان ہوگیا اور پھر وہ روتی چلاتی ہے۔ قلب بصیر ہوجائے، نفس عبرت گیر ہوجائے تو تب یہ مقامِ بیداری حاصل ہوتا ہے۔ عابدوں کی روح عالمِ ملکوت کے لیے تڑپتی ہے۔ عارفوں کی روح عالمِ جبروت کے لیے تڑپتی ہے، عاشقوں کی روح عالمِ لاہوت کے لیے تڑپتی ہے۔ سفر الی اللہ کا آغاز بیداری سے ہوتا ہے اور بیداری ''بشنو'' سے ہوتی ہے یعنی ''سنو'' اور اپنے اندر لٹ جانے اور روحانی نقصان کے ہوجانے کا احساس پیدا کرو۔

## 4۔ ۲۳ رمضان المبارک

شہرِ اعتکاف میں امسال آنے والے پہلے جمعۃ المبارک کے موقع پر محترم ڈاکٹر حسن محی الدین نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

### خطاب جمعہ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

اللہ رب العزت نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں ان کی علامت یہ ہے ''اشد حبا للّٰہ'' کہ وہ ٹوٹ ٹوٹ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اس حال میں اللہ سے محبت کرتے ہیں کہ وہ ہر حال کو اپنے حال سے جدا کرکے صرف خدا کی یاد میں گم ہوکر خدا کے ہوجاتے ہیں۔ وہ خدا کی محبت میں اس قدر فنا ہوجاتے ہیں کہ انہیں اپنا حال بھی یاد نہیں رہتا۔

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا. کے مصداق وہ اپنے قلب و باطن میں ہر ایک سے ٹوٹ کر اسی کے ہوجاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ایمان والوں کو ایمان کی شرط یہ بتائی کہ ایمان والے ہر شے سے جدا ہوکر، ٹوٹ کر خدا سے محبت کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کے بندے اپنے دلوں کو خدا کی محبت کے لیے مختص کرتے ہیں۔ جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک اور صالح عمل کرتے رہے، اپنی زندگیاں صالحیت اور عبادت میں گزارتے رہے، ان کے لیے فرمایا کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دے۔ ایک طرف بندہ خدا کی محبت اپنے دلوں میں ڈال رہا ہے اور دوسری طرف خدا اپنے بندوں کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال رہا ہے۔

بندہ خدا کی محبت چاہتا ہے مگر خدا کا عمل یہ ہے کہ وہ اپنے ان محبوں کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال رہا ہے۔ بندہ کہتا ہے کہ مولا میں تو چاہتا ہوں کہ ہر شے سے کٹ کر تیرا ہوجاؤں، میں ٹوٹ ٹوٹ کر تجھ سے ہی محبت کرتا رہوں اور تو اپنے بندوں کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال رہا ہے۔ یہ ماجرا کیا ہے؟ خدا نے کہا: میری محبت تجھے تب ملے گی جب تو کسی کا ہوجائے گا۔ کوئی تجھے محبت کرکے دکھائے گا تو تجھے بھی محبت کرنی آجائے گی۔ ارشاد فرمایا: ان کنتم تحبون اللّٰہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو ''فاتبعونی'' میری اتباع کرو۔ اب بندے نے پوچھا: مولا محبت تیری کرنا چاہتا ہوں، در تو اپنے مصطفیٰ کا دکھا رہا ہے۔۔۔ میں دعویٰ تیرا کرتا ہوں تو دلیل مصطفیٰ کی دکھا رہا ہے۔۔۔ نام تیرا جپتا ہوں تو دیدار مصطفیٰ کا کروا رہا ہے۔۔۔ بات تیری کرتا ہوں، سنت مصطفیٰ کی دکھا رہا ہے۔۔۔ ذکر تیرا کرتا ہوں، ادا مصطفیٰ کی دکھا رہا ہے۔۔۔ قریب تیرے ہونا چاہتا ہوں تو قریب مصطفیٰ کے کررہا ہے۔۔۔ فرمایا: اے بندے! یاد رکھ! دامن تجھے مصطفیٰ کا پکڑاؤں گا مگر محبت اپنی دکھاؤں گا، اس لیے کہ تو مجھے دیکھ نہیں سکتا مگر میرے

مصطفیٰ کو تو دیکھ سکتا ہے۔۔۔ میری اداؤں کو نہیں دیکھ سکتا مگر میرے مصطفیٰ کی اداؤں کو تو دیکھ سکتا ہے۔۔۔ مجھے نہیں سن سکتا مگر میرے مصطفیٰ کو تو سن سکتا ہے۔۔۔ مجھے نہیں سمجھ سکتا مگر میرے مصطفیٰ کو تو سمجھ سکتا ہے۔۔۔ مجھے نہیں چھو سکتا مگر میرے مصطفیٰ کے نعلین کو تو چھو سکتا ہے۔ سو فرمادیا کہ اگر میری محبت چاہتے ہو تو میرے مصطفیٰ کے ہوجاؤ۔ میرے محبوب کی اتباع کرتے چلے جاؤ۔ جیسے جیسے میرے محبوب کرتے جائیں بس اسے دہراتے چلے جاؤ۔ محبت میں عقل کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ محبت کہتی ہے کہ جیسے محبوب نے کیا پس اس کے عمل کو دہرانے کا نام محبت ہے۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے زمین والوں کے لیے کچھ اپنے برتن بنائے ہیں، جان لو وہ برتن اللہ والوں کے دل ہیں۔ وہ اپنی عبادت گزاروں کے دلوں کو اپنے برتن کہتا ہے۔ فرمایا: میرے برتن اگر ڈھونڈنے ہوں تو میرے اولیاء، صالحین اور مقربین کے قریب ہوجاؤ۔ ان کے دلوں کو میں نے اپنا برتن بنایا ہے۔ اب اگر میری محبت ڈھونڈنی ہو تو وہ میرے برتنوں میں ہے۔ لہذا میرے محبوب بندوں کی سنگت اختیار کرلو تب میری محبت تک پہنچو گے۔

## 5۔ 24 ویں شب رمضان المبارک

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے شہر اعتکاف سے مثنوی مولانا رومؒ کا تیسرا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

عقل اور عشق کا باہم تضاد ہے۔ اگر عقل کا پہرہ رہا تو عشق کا پہرا نہیں ہوتا۔ یا بندہ عاقل رہے یا عاشق ہوجائے۔ عقل کے فیصلے کے طریق اور ہیں اور عشق کے فیصلے کے طریق اور ہوتے ہیں۔ عقل جان بچانے کی فکر میں ہوتی ہے جبکہ عشق جان دینے کی فکر میں ہوتا ہے۔ عشقِ حقیقی میں رقابت نہیں ہوتی، وہ اپنے محبوب کے تمام عاشقوں سے محبت کرتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح دردِ اشتیاق

روح کی بانسری کہتی ہے کہ میں اپنا راز بتانا چاہتی ہوں کہ میں کیوں روتی ہوں لیکن میں ایسا سینہ چاہتی ہوں جو سینہ خود بھی جدائی کے غم میں پارہ پارہ/ چاک چاک ہوچکا ہو۔ جب ایسا سینہ ملے تو پھر میں دردِ اشتیاق کی داستان سناؤں۔

اس شعر میں مولانا روم بانسری کی زبان میں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ درد کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو اپنی زندگی میں مصائب و آلام سے لطف اندوز ہوا ہو، اس نے درد کا مزہ چکھا ہو تب جاکر اس کی داستان کو سنے گا۔ بھوکے اور پیاسے کو ہی بھوک اور پیاس کی شدت کا احساس ہوتا ہے، جو بیمار ہو وہی صحت کی قدر و قیمت جان سکتا ہے۔

روح کہتی ہے کہ میں بہت ساری صحبتوں میں رہی ہوں، میرے نالہ وفریاد سن کر کئی کے دل پسیج گئے اور کئی ایسے بھی تھے جن پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہر کوئی اپنے فہم کے مطابق میرا رفیق بن گیا۔ مگر میرے اندر موجود اصل راز کی کھوج لگانے کی کوشش کسی نے نہ کی۔ ہر ایک کو صرف یہ سمجھ آیا کہ اس کو کوئی صدمہ ہے۔ مگر اصل حقیقت کو کوئی نہ جان سکا، ہر ایک نے اپنی مصیبت و درد پر میرے درد کو قیاس کیا کہ شاید یہ بھی ظلم، بیماری، اولاد، روزگار کی وجہ سے رو رہی ہے۔ جس نے بھی میری آہ و زاری کو سنا، اس نے اُسے اپنے آلام پر قیاس کرلیا، اس سے آگے کی سوچ، فہم، ادراک کسی کو تھا ہی نہیں۔ کوئی سمجھ ہی نہ سکا کہ اس کو عشقِ الٰہی کی آگ تڑپا رہی ہے۔ اس بات کو ایک نکتہ کے ساتھ مولانا روم یوں سمجھاتے ہیں:

سرِ من از نالہ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست

میرا راز میری آہ و بکا سے دور نہیں ہے، میرے رونے کی آواز اور میرے راز میں فاصلہ نہیں ہے مگر کیا کروں کہ کسی آنکھ اور کسی کان کے پاس وہ نور ہی نہیں جس سے وہ راز سمجھا جاسکتا۔ میرے درد کی حقیقت کو پانا امرِ ذوقی ہے اور اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جو صاحبِ دردِ دل ہے۔

افسوس! یہ ذوق دنیاوی شہوتوں کی وجہ سے دب گیا ہے۔ روح تڑپتی ہے کہ کوئی ذوق بیدار ہو اور اس کے درد کو جان سکے۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے مولانا روم حکایت بیان کرتے ہیں کہ ایک حکمران نے لیلیٰ کو دیکھ لیا اور ان کے درمیان مکالمہ ہوا:

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی
کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

بادشاہ نے لیلیٰ کو دیکھا تو کہا کہ کیا تو وہی لیلیٰ ہے جس کا مجنوں دیوانہ ہے۔ تجھ میں کوئی ایسی چیز مجھے نظر نہیں آتی، جو دوسرے حسینوں میں نہیں؟ لیلیٰ نے کہا: بادشاہ خاموش ہوجا! تجھے معلوم نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ تو مجنوں نہیں۔ میرے حسن کی اس خوبی کو دیکھنے کے لیے مجنوں کی آنکھ چاہئے۔

؎ دیدہ مجنوں اگر بودے ترا
ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اگر تیرے پاس مجنوں کی آنکھ آجاتی تو دو جہانوں کا سارا حسن تیرے نزدیک کوئی اہمیت ہی نہ رکھے۔

؎ باخودی تو لیک مجنوں بی خود است
در طریق عشق بیداری بدست

بادشاہ نے کہا کہ میری اور مجنوں کی آنکھ میں کیا فرق ہے؟ لیلیٰ نے کہا: بادشاہ تو ہوش ہے (عقل میں ہے) لیکن مجنوں بے خود ہے۔ عاشق عقل کے ہوش سے جاتا رہتا ہے، عشق ایک نئی مدہوشی دیتا ہے اور یہ مدہوشی عاشقوں کا ہوش ہوتی ہے۔

؎ محرم ایں ہوش جزبے ہوش نیست
مر زبان را مشتری چوں گوش نیست

محبوب کی قربت کے لیے ہر چیز کو بھول جانا، اس ہوش کا آنا دنیا کی بے ہوشی سے ہی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اگر دنیا کو ترجیح دو گے تو آخرت کا کچھ نہ کچھ نقصان ہے اور اگر آخرت کو ترجیح دو گے تو دنیا کا کچھ نہ کچھ نقصان ہوگا۔ دونوں صورتوں میں کچھ نہ کچھ نقصان ہے۔ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا کریں؟ فرمایا: باقی کو فانی پر ترجیح دو اور دنیا کے نقصان کو آخرت کے بدلے قبول کرلو۔

دنیوی اور معاشی فرائض کو نبھانے سے کبھی اسلام میں منع نہیں کیا گیا۔ دل کا ہوائے نفس میں اس طرح مبتلا ہوجانا کہ دنیا ہی اس کا دکھ سکھ بن جائے، اس سے منع کیا گیا ہے۔ جتنی ضرورت اتنی مشغولیت ہو تو یہ منع نہیں لیکن دنیا میں فنا نہیں ہونا۔ اس کو قدرِ ضرورت لینا ہے۔ دنیا کو سواری بناؤ، اس کو اپنے اوپر سوار نہ کرو۔ دنیا میں فنا ہونے اور دنیا کی سواری ہونے سے بچو۔ راحتِ قلب و جان اس کی محبت، طاعت، معرفت میں ملے۔ دنیا بقدرِ ضرورت وکفالت رہے۔ دل پر دنیا کے حوالے سے مدہوشی طاری کرو۔ پھر ایسا ہوش ملے گا کہ جس کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ دنیا کی ہوشیاری پر اللہ کے عشق کی مدہوشی غالب آئے تو بندہ اللہ کو پالیتا ہے۔

## 6۔ ۲۵ ویں شبِ رمضان المبارک

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مثنوی مولانا روم سے ''عشق'' کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:

خود سے بے خبر ہوکر رہیں تو باخبر ہوجائیں گے۔ کسی چیز سے بے خبر ہونا پڑتا ہے تب جاکر اس کی خبر ملتی ہے، جو ہر وقت اپنا خیال رکھتا ہے، اس کے من میں اس کا خیال نہیں سماتا۔ اس کی محبت، معرفت پانے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ سے دوری اور مہجوری کرلیں۔ بندہ ایک وقت میں ایک ہی عالم میں رہ سکتا ہے اگر اس دنیا میں رہیں گے تو اُس عالم میں نہ رہ سکیں گے۔ اس دنیا سے جہاں تک ہوسکے ہجرت کریں، تب ہی کوئی اچھا وطن نصیب ہوگا اور یہ بے خودی کے بغیر ممکن نہیں اور بے خودی عشق سے آتی ہے جبکہ عقل کبھی بے خود نہیں ہونے دیتی۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

؎ ہر کہ را جاماز عشقی چاک شد
او ز حرص و عیب کلی پاک شد

ہر وہ شخص جس نے اپنا لباس عشق سے پھاڑ دیا وہی شخص حرص وعیب سے کلیتًا پاک ہوا۔

اس لباس سے مراد نفسانی رذائل ہیں، بشری صفات کا لباس، نفسانی خصلتوں کا لباس، میں کا لباس، انانیت کا لباس، اخلاق ذمیمہ کا لباس ہے، جس نے عشق کی آگ میں ان گھٹیا رذائل کو جلا دیا، وہ عیب وحرص سے کلیتًا پاک ہوگیا۔

حرص اورعیب نفس کے دو حال ہیں۔ حرص کو خاص رذائل میں سے بیان کیا اور عیب کو عمومی رذائل میں سے بیان کیا۔ مقصود یہ ہے کہ عشق ہر خاص و عام برائیوں کا علاج کرتا ہے۔ حرص کی بہت باریکیاں ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں ظاہری و باطنی ہر سطح پر حرص در آتا ہے۔ حرص کے اتنے لطیف درجے ہیں کہ ان کے حرص ہونے کا بھی اندازہ نہیں ہوتا۔ شہرت کی طلب، حوصلہ افزائی کی طلب، عزت کی طلب یہ تمام حرص ہیں۔

نفس کے 100 رذائل ہیں، مولائے روم ان میں سے حرص کو سوچ سمجھ کر لائے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ حرص ہی تمام رذائل کی جڑ ہے۔

نفس کے عیوب سے پاک ہونے کے دو طریقے ہیں:

۱۔طریق سلوک/ زہد ۲۔طریقِ جذب

۱۔ شیخ، استاد، مرشد، مربی ایک ایک خلق کو لیتا ہے اور مریدین کے ایک ایک اخلاق کی تہذیب کرتا ہے اور سنوارتا ہے۔ یہ طریقہ زہد ہے اور یہ طریقہ جزئی ہے۔

۲۔ طریقہ جذب کا دوسرا نام طریقہ کلی ہے۔ اس میں یکلخت تمام خلق بدل جاتے ہیں اور اس کا نام طریقِ عشق ہے۔ اس طریق میں تمام اخلاق رذیلہ جل جاتے ہیں۔

عشق ہر چیز کا علاج کیوں کرتا ہے؟ مولائے روم عشق سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شادباش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ھائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

’’خوش رہ اے عشق، اے ہماری اچھی دیوانگی تو خوش رہ، تو ہماری تمام امراض کا علاج ہے اور تو ہی ہمارا طبیب ہے۔ اے عشق تو ہماری نخوت و ناموس کی دوا ہے‘‘۔ (نخوت سے مراد عجب وخود پسندی ہے) مولائے روم نے عشق کو اپنا افلاطون اور جالینوس قرار دیتے ہوئے کہا کہ اے عشق تو ہی میری تمام روحانی ونفسانی امراض کا علاج ہے۔

یاد رکھیں! نخوت/ خود پسندی کا آغاز اپنے اندر کے ہنر اور کمال کو دیکھ کر ہوتا ہے۔ اگر بندہ کو اپنے اندر اپنا کمال نظر آئے تو وہ نخوت کا شکار ہوجاتا ہے۔

طریقہ سلوک/ زہد اور طریق عشق میں ایک فرق ہے۔ طریق سلوک ایک ایک خُلق کو باری باری تبدیل کرتا ہے۔ اس کی ایک خوبی ہے اور ایک نقصان ہے۔ خوبی یہ ہے کہ خطرناک نہیں ہے، نقصان یہ ہے کہ لمبا عرصہ درکار ہے۔ ریاضت و مجاہدہ طویل ہے۔ طریق عشق میں ایک خوبی یہ ہے کہ یکلخت حال بدل ڈالتا ہے اور نقصان یہ ہے کہ یہ خطرناک ہے۔ معلوم نہیں کہ بعد میں بلھے شاہ بنادے۔ کبھی اناالحق کی صدا لگوا دیتا ہے اور سولی پر بھی چڑھا دیتا ہے۔

جو اس طریق پر چلے تو وہ ساری زندگی دروازہ پر کھڑا رہتا ہے، اندر سے دروازہ کھلے یا نہ کھلے، آواز آئے یا نہ آئے، اس کو پرواہ نہیں۔ وہ صرف محبوب کی رضا کو مقدم رکھتا ہے۔ عشق آئے تو نخوت وحرص چلی جاتی ہے۔ نخوت، عزت طلب ہے جبکہ عشق، ذلت طلب ہے، عشق نہیں چاہتا کہ میرے پیالے میں ڈالا جائے بلکہ اس کو ٹھوکر میں بھی مزہ آتا ہے۔

دنیا دار میں نفس کی خرابی کم تباہ کن ہے اور دین دار میں نفس کی خرابی زیادہ تباہ کن ہے۔ دنیا دار نے دنیاوی پہچان سے دنیا طلب کی جبکہ دین دار نے دینی پہچان سے دنیا طلب کی، اس لئے زیادہ تباہ کن ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا: عشق کا راز اتنا خوبصورت ہے کہ اس کے لیے صرف خوبصورت دلوں کا انتخاب کیا جاتا ہے اور خوبصورت دل صرف عاشقوں کے ہوتے ہیں۔ دل خوبصورت بنتا ہی تب ہے جب اس میں ہمہ وقت محبوب کا خیال رہتا ہے۔ کوئی خوبصورت ہی اس کو خوبصورت بنائے گا۔ کسی خوبصورت کو اپنے اندر سمانے یا اس سے تعلق بنانے سے ہی دل خوبصورت بنتا ہے۔

## 7۔ ۲۶ ویں شبِ رمضان المبارک

مثنوی مولانا رومؒ سے ’’عشق‘‘ ہی کے موضوع پر شیخ الاسلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

جن اولیاء وصلحاء نے اُس کا وصل پایا، ان تمام کی زبان زبانِ عشق تھی۔ خواہ وہ زہد، سلوک، ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے منزل طے کرتے رہے مگر وصل کسی کو عشق کے بغیر نہیں ملا۔ طاعت وعبادت بندے کو جنت تک پہنچاتی ہے جبکہ عشق اُس کے قرب و وصال تک پہنچاتا ہے۔ مولانا روم تمثیل کے انداز میں عشق کی عظمت بیان کرتے ہیں:

جسم خاک از عشق بر افلاک شد
کوہ در رقص آمد و چالاک شد

یہ عشق ہی تھا جو ایک خاکی جسم کو افلاک تک لے گیا (آقا ﷺ کے واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے) یہ عشق ہی تھا

کہ جس نے کوہ طور کو رقص کروادیا۔ یہ جلا اور ہوشیار ہوگیا۔

مذکورہ دونوں واقعات واقعہ معراج اور واقعہ جبلِ طور واقعات عشق ہیں۔ معراج بھی سفرِ عشق ہے۔ اس میں محبّ (اللہ) محبوب (حضور) کو ملاقات کے لیے بلا رہا ہے۔ طور پر بھی محبت کی داستان ہے، اس سفر میں موسیٰ محبّ و عاشق ہیں جبکہ وہ ذات (اللہ) محبوب تھی۔ داستان دونوں واقعات میں محبت کی ہے۔ معراج میں محبوب جارہا ہے جبکہ طور پر محبّ جارہا ہے۔

دونوں واقعات میں مولانا روم کا مقصود عشق کی عظمت کو واضح کرنا ہے۔ پھر مولائے روم طور کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

؎ عشق جان طور آمد عاشقا
طور مست و خطر موسیٰ صاعقا

عشق ہی طور کی جان بن گیا۔ پہلے طور کو کون جانتا تھا۔ اس عشق نے طور کو زیارت گاہِ عاشقاں بنادیا اور انفرادیت دے دی۔ عشق طور کی پہچان اور شان بن گیا اور عشق کی آگ کے بعد طور مست ہوگیا اور موسیٰ بے ہوش ہوگئے۔ طور کی مستی اس کا ریزہ ریزہ ہونا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی وہ بے ہوشی تھی جس میں ساری معرفت آگئی۔ اس بے ہوشی میں ایک ہوش تھا۔ یہ عام بے ہوشی نہ تھی بلکہ اس میں انہیں ایک نیا ہوش مل گیا۔

حضرت داتا گنج بخش نے حضرت داؤد طائی کا قول بیان کیا ہے کہ عشق ایسا رنگِ توحید چڑھاتا ہے کہ اگر تو دنیا میں سلامتی چاہتا ہے تو حب دنیا کو سلام کہہ دے اور کرامت، بزرگی، تقرب، آخرت کی طلب، حرص ان تمام کو ختم کردے یعنی حبِ دنیا و آخرت سے بے نیاز ہوجا۔ راہِ عشق میں صرف درِ محبوب پر کھڑا ہونا ہے۔ وہ دیکھے یا نہ دیکھے، دروازہ کھولے یا نہ کھولے، یہ محبوب کی مرضی ہے۔ اے بندے! محبوب کی مرضی کو اپنے ہاتھ میں نہ لے، عاشق بن معشوق نہ بن۔ راہِ عشق کا مسلک یہ ہوتا ہے کہ طلب ختم ہوجاتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اللہ نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا: میں فقط یہ چاہتا ہوں کہ کچھ نہ چاہوں سوائے اس کے کہ وہ چاہوں جو تو چاہے۔

جب یہ حدیں ٹوٹ جائیں تو عشق اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ سارے امراض اس ''مَیں'' سے جنم لیتے ہیں۔ تمام دکھڑے ''میں'' سے شروع ہوتے ہیں یا ''میں'' پر ختم ہوتے ہیں۔ اسی ''میں'' پر عاشق لعنت بھیجتے ہیں۔ اس ''میں'' نے خودی کے شعور کو تباہ کر رکھا ہے۔ عشق کہتا ہے کہ اس ''میں'' سے بے خود ہوجا۔ اس ''میں'' کا کتا باطن میں ہے، ہم عبادات کے جتنے مرضی ڈول نکالتے جائیں اس سے پانی پاک نہیں ہوتا۔ عمل، شہرت، علم، کاروبار بڑھنے سے ''میں'' بڑھتی چلی جاتی ہے۔ جبکہ عشق، اس ''مَیں'' کے بت کو جلاتا ہے۔

''مَیں''، علم، عمل، زہد، ورع، تقویٰ، اعمال صالحہ سے نہیں مرتی بلکہ عشق کی آگ ''مَیں'' کو جلاتی ہے اور بقیہ مذکورہ چیزیں حاصل شدہ روحانیت کو محفوظ کرتے ہوئے بندے کو آگے بڑھانے کا سبب بنتی ہیں۔

## 8۔ ۲۷ویں شبِ رمضان (عالمی روحانی اجتماع)

تحریک منہاج القرآن کے شہر اعتکاف میں 27 ویں شب رمضان لیلۃ القدر کا عالمی روحانی اجتماع جامع المنہاج بغداد ٹاؤن میں منعقد ہوا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب شہر اعتکاف سے منہاج ٹی وی کے ذریعے براہ راست نشر کیا گیا۔ شہر اعتکاف کے ہزاروں معتکفین و معتکفات کے ساتھ ساتھ ملک بھر سے عشاقان مصطفیٰ ﷺ کی بڑی تعداد اس عالمی روحانی اجتماع میں شریک ہوئی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری لیلۃ القدر کے عالمی روحانی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے عشاق، عرفاء میں سے متقدمین و متاخرین کے احوال عشق بیان کیے۔ آپ نے حضرت بی بی رابعہ بصری، حضرت ذوالنون مصری، حضرت جنید بغدادی، مالک بن دینار، سمیت متعدد عشاق و عرفاء کی زندگی کے واقعاتِ عشق کو بیان کرتے ہوئے عشق حقیقی کا درس دیا۔ آپ نے فرمایا:

عاشق ذلت کو گوارا کرتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ محبوب میں تیرے در پر کھڑا ہونے یا بیٹھنے کے قابل نہیں، تو نے یاد کرنے کے قابل بنا دیا تو مولا یہ تیرا کرم ہے۔ اولیاء اللہ کے نزدیک تصوف کی رو سے ساری بربادی ''میں''، ''ہم''، ''میرا'' اور ''میرے پاس'' میں ہے۔ یہ چار عناصر بندے کو تباہ کرتے ہیں۔ عشق بندے کی ساری طرفیں جلا دیتا ہے اور جب بندے

کی کوئی سمت ''سمت'' نہیں رہتی بلکہ اس کی سمت صرف مولا کا حقیقی عشق بن جاتا ہے۔

اے بندے تو سوچ تیری ابتداء کہاں سے ہوئی، تو ایک حقیر و پلید قطرہ تھا، اپنی انتہاء کو دیکھ کہ جب مر کر قبر میں جائے گا تو کیڑے تیرے جسم کو کھائیں گے، جب تیری انا ختم ہو جائے گی۔ انسان کے خونی رشتے بیوی، بچے اور بہن بھائی، جن کے لیے دنیا میں بندہ مارا مارا پھرتا تھا، اس کی موت کیساتھ ہی ان کے سب رشتے اس سے ٹوٹ گئے۔ اب وہ اس کا تیرے نام لینے کے بجائے میت کہہ کر پکاریں گے کہ اسے جلدی اٹھاؤ دیر ہو رہی ہے۔ بندے وہ سب رشتے کہاں گئے جنہوں نے مرنے کے بعد ہی تیرا نام بدل کر میت رکھ دیا۔ اگر یہ بات سمجھ جائے تو بندے میں ''میں'' ختم ہو جائے اور اگر ''میں'' کو مٹانا ہی ہے تو پھر اسے محبوب کے عشق میں مٹا کر دم لو، تاکہ رہتی دنیا تک تمہیں یاد رکھیں۔

دنیا میں جتنے حسن اور خوبصورتیاں ہیں، وہ سب مالک حقیقی کے حسن زیبا کے سامنے ماند اور ہیچ ہیں۔ اس لیے عشق دنیا میں نہیں بلکہ اس مالک حقیقی سے کرو، جس نے تم سے وعدۂ الست کیا ہے۔ اسی کی طرف ہم سب کو پلٹنا ہے۔

## 9۔ ۲۸ویں شبِ رمضان المبارک

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے مثنوی مولانا رومؒ سے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب و باطن کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ

مولانا روم روحانی ترقی کے راستے کھلنے کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں کہ

؎ آئینہ کز زنگ و آلائش جداست
پر شعاع نور خورشید خداست
رو تو زنگار از رخ پاک کن
بعد از آن، آن نور را ادارک کن
ایں حقیقت را شنو از گوش دل
تابہ بیرون آئی بہ کلی ز آب و گِل
فہم اگر دارید، جان را رہ دھید
بعد از آن از شوق پا در رہ نھید

اے طالبِ حق وہ آئینہ (یعنی آئینہ قلب) جو زنگ اور میل سے دور ہے، وہی آئینہ قلب آفتابِ انوارِ الٰہیہ سے بھرا ہوا ہے۔

اگر تو چاہتا ہے کہ تیرے دل پر انوارِ الٰہیہ کا نزول ہو، اس کی تجلیات تیرے دل پر نازل ہوں تو دل کو زنگ اور آلائشوں سے پاک کرلے، تب جاکر دل اس قابل ہوگا کہ اس پر واردات اور انوار کا نزول ہوگا۔ یہ زنگ، آلائش اور میل کیا ہے؟ اس زنگ کی دو اقسام ہیں:

۱۔ شہواتِ نفسانیہ کا زنگ: نفس کے یہ زنگ، گھٹیا خصلتیں دل کے آئینہ کو غبار آلود کر دیتی ہیں۔ جس طرح صاف شیشہ کے بغیر انسان اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتا، اسی طرح صاف قلب کے بغیر عالمِ تجلیات کے انوار نصیب نہیں ہوتے۔

۲۔ تعلقاتِ ماسوا کا زنگ: یعنی دل کی خواہشات کا زنگ مثلاً ریا، تکبر، نخوت، خود پسندی وغیرہ۔

ہماری زندگی بدقسمتی سے نیکی اور بدی کا Mixture بن گئی ہے۔ کچھ لوگوں میں صرف برائی ہوتی ہے اور ان کی تعداد بہت کم ہے۔ بہت کم ایسے ہیں جن میں صرف خیر ہی خیر ہے۔ یہ دو انتہائیں ہیں۔ اکثر لوگ ان دونوں کا مغلوبہ ہیں۔ ہماری زندگیوں کا یہ حال ہے کہ ان پر نفسِ امارہ کا غلبہ ہے۔ حرص، لالچ، تکبر، نخوت، طلب، شہوت، جھوٹ، غیبت بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف رجوع بھی ہے، محبت، خشیت، خوف الٰہی، رقت، آنسو، خیرات، سخاوت بھی ہے۔ یعنی ہم بھلائی اور برائی دونوں کرتے ہیں۔ یہ 99% لوگوں کا حال ہے۔ فرق یہ ہے کہ کسی میں خیر کا غلبہ ہے اور کسی میں شر کا غلبہ ہے۔ اس صورت حال میں بندہ سفر تو جاری رکھتا ہے مگر کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی جگہ کھڑا رہتا ہے، روحانی ترقی نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ جیب کٹی ہوئی تھی، ہم پیسے ڈالتے رہے اور ہمیں معلوم نہ ہوا، پیسے گرتے رہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ نفسانی رذائل اور قلبی خواہشات کا زنگ دل سے اتار، تب اللہ کے انوار وتجلیات آئیں گے۔ تن تیرا دنیا کے ماحول میں رہے، فرائض ادا کرے، ضرورت، ضرورت رہے، شہوت و محبت نہ بنے اور من احوالِ محبت کی طرف راغب رہے اور اللہ کی طرف متوجہ رہے۔

یاد رکھیں! رسمی عبادات کرنے سے ایک حجاب غفلت بھی

نہیں اترتا، ایک زنگ بھی نہیں اترتا۔ سارے امور کا اجروثواب تو ملتا ہے مگر نور کا نصیب ہونا، حجابات کا رفع ہونا اور روحانی ترقی کا نصیب ہونا نہیں ملتا۔ اس کے لیے مجاہدہ درکار ہے۔ صرف رفاقت ہی سے سب کچھ نہیں۔ کسی کی نسبت از خود حال نہیں بدلتی، رفاقت و بیعت دل کی ارادت کا نام ہے۔ خالی اور رفاقت فارم کے پر کرنے سے حال نہیں بدلتا۔ خالی نسبت سے فیض کی کئی صورتیں ملتی ہیں، برکت ملتی ہے مگر دل کا زنگ نہیں اترتا، دل میں ورودِ تجلیات نہیں ہوتا، یہ کام ریاضت سے ملتا ہے۔

ارادت، صحبت اور ریاضت تینوں چیزوں کو جوڑا جاتا ہے تب دل کے زنگ اترتے اور روحانی ترقی نصیب ہوتی ہے۔ دنیا کی کوئی بھی ڈگری اور کوئی بھی فن سیکھنے کے تقاضے پورے کئے بغیر نہیں ملتی۔ جب کسی بھی میدان میں ریاضت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوسکتا تو عاشق بغیر کسی ریاضت کے کس طرح بن سکتا ہے۔

اس لیے فرمایا: زنگ سے دل کو صاف کر اور ماسوا اللہ سے جو چیز دور لے جائے اس سے بھی اپنے آپ کو پاک کر۔

روحانی ترقی کے لیے درج ذیل مراحل ہیں:

۱۔ تزکیہ (نفس کی زنگار سے صفائی)

۲۔ تصفیہ (دل کی غبار سے صفائی)

۳۔ جب نفس رذائل سے پاک ہوجائے اور دل ماسوی اللہ میں غرق ہونے سے محفوظ ہوجائے تو تیسری منزل **التخلی** ہے یعنی دل کو تب خلوت ملتی ہے اور دل اللہ کا خلوت کدہ بنتا ہے جب اس کی محبت و قربت دل میں بس جائے تو یہ **التخلی** ہے۔

ہر تمنا کے دل سے رخصت ہوجانے سے دل خلوت کدہ محبوب بنتا ہے جب غیر بیٹھے ہوں تو بات کرنا تو دور کی بات ہے محبوب دیکھتا بھی نہیں ہے۔

۴۔ اس کے بعد مرحلہ **التجلی** ہے۔ خلوت ہوگی تو تجلی ہوگی۔ تجلی کا مطلب ہے دیکھنا۔ بندہ نور کو دل پر گرتے محسوس کرتا ہے۔

۵۔ اس کے بعد مرحلہ **التحلی** ہے۔ اس مقام پر بندہ پر اللہ کے اخلاق کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ یہ عبدیت کاملہ اور عبودیت صحیحہ ہے۔ اس کی صفات کا رنگ بندے پر چڑھ جاتا ہے اور اللہ اپنے اخلاق کا زیور اس بندے کو پہنا دیتا ہے۔

## 10۔ ۲۹ ویں شبِ رمضان المبارک

نفس کا زنگ اور قلب کا غبار کس طرح دور ہوتا ہے؟ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اپنی گذشتہ شب کی جانے والی گفتگو کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے فرمایا: تزکیہ، تصفیہ، تخلی، تجلی اور تحلی کے بعد اگلے مراحل شروع ہوتے ہیں:

۶۔ **الترقی** روحانیت کے سفر میں چھٹا مرحلہ ہے۔ یہاں سے سالک کے مراتب و مدارج میں ترقی کا آغاز ہوتا ہے۔ یہاں سے رکاوٹیں دور ہوتی ہیں اور وہ تیزی سے منازل طے کرتا ہے۔ اس کو ''التنقل'' بھی کہتے ہیں یعنی روحانی نقل مکانی ہوتی ہے اور عالم لاہوت کی طرف روح محوِ پرواز ہوجاتی ہے۔

انسان کے بشری پیکر کی تشکیل میں موجودہ پانی، مٹی، گارے، چپکنے والے گارے، کھنکناتی مٹی، ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی کی تاثیرات بھی انسان میں ہے۔ ان تمام خصوصیات و تاثیرات کو اعتدال میں لانا کمال ہے۔ اس لیے کہ اعتدال میں کمال ہے۔ کمال افراط و تفریط میں نہیں ہے۔ اعتدال یہ ہے کہ ترقی کی طرف سفر کرتے ہوئے انسان معتدل ہوتا جاتا ہے۔

۷۔ ساتواں مرحلہ **التدانی** ہے۔ یہ مرتبہ عروج ہے۔ اس مرحلہ سے بندہ روحانیت میں مزید اوپر جاتا ہے اور یہاں اسے **ثم دنیٰ** کا فیض ملتا ہے۔

۸۔ آٹھواں مرحلہ **التدلی** ہے۔ اس میں **فَتَدَلّٰی** کا فیض ملتا ہے۔ اللہ اس بندہ کے باطن و روح میں اجلال فرماتا ہے۔ اس طرح بندہ کو معراجِ حق نصیب ہوتی ہے۔ نزولِ حق کی صورت میں اللہ کی قربت نصیب ہوتی ہے اور حجابات دور ہوجاتے ہیں۔

۹۔ **التلقی** نواں درجہ ہے۔ اس مرحلہ پر بندہ براہِ راست اللہ سے اخذِ فیض کرتا ہے۔

۱۰۔ دسواں درجہ **التولی** ہے۔ اس میں بندہ اپنے آپ کو بھول چکا ہوتا ہے۔ یہ عالم بے خودی ہوتا ہے۔ انوار و تجلیات میں بندہ گم ہوتا ہے۔ فیض دے کر بندہ کو کمال دیا جاتا ہے۔ بندہ اپنی طرف واپس پلٹتا ہے۔ یہ مرحلہ نزول ہے۔ اس مرحلہ پر اس بندے کے تمام معاملات رب نے خود سنبھال لیے ہوتے ہیں۔

اِس روحانی ترقی کے راستے کی درج ذیل ابتدائی ضروریات بھی ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے:

۱۔ سماع و تذکر: سننے سے سفر شروع ہوتا ہے اور اس میں پہلا قدم تَـذَکُّـرُ ہے۔ یعنی جو سنے اس کو نصیحت میں بدل دے۔ سنتا ہر کوئی ہے مگر تذکر میں نہیں بدلتے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم سنتے ہیں مگر اپنے اوپر توجہ اور دھیان نہیں دیتے۔ اس کو اپنے من میں وارد کریں۔ ہر شخص یہ سمجھے کہ یہ بات میرے لیے ہے۔ ہر صحابی حضور ﷺ کے فرامین کو اپنے اوپر وارد کرتا۔ اس طرح کی سوچ ہو تو یہ تذکر ہے۔

۲۔ تفکر: میری یہ خرابی آئی کہاں سے ہے؟ کب تک نہیں تھی؟ کتنا عرصہ پہلے آئی؟ اس نے میرے اندر کون کون سی تبدیلی پیدا کی؟ اس کو تفکر کہتے ہیں یعنی ایک ایک خرابی کو پکڑیں اور اس کا علاج کرتے چلے جائیں۔

۳۔ توجہ اور تجمع: اس سے قبل بندہ انتشار میں ہوتا ہے، یکسوئی نہیں ہوتی۔ انتشار ذہنی اور بہت ساری سوچوں کا غلبہ ہے۔ اس سے قبل Focus نہیں ہوتا۔ اس مرحلہ پر اصل چیز پر Focus کرنا ہے۔ جڑی بوٹیوں کو اکھاڑنے کی وجہ زمین کی قوتِ تخلیق کو اصل فصل کی طرف کرنا ہوتا ہے تا کہ زمین کا Focus صحیح ہو جائے۔ اس مرحلہ میں انتشار خیالی کو ختم کرنا اور سارا ذوق اور باطنی صلاحیتوں کو ایک نکتہ پر مرکوز کرنا تجمع کہلاتا ہے۔

۴۔ تتبع: اطاعت کی طرف مائل ہونا۔ حضور اور اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا۔ اتباع و اطاعت کرنا۔

۵۔ تَـحَـضُّـرُ، تَـخَلُّق (حضوری): ہجرت کے بغیر ترقی نہیں ہے۔ گناہ کے وطن سے بھی ہجرت کرنا ہوگی تب روحانی ترقی نصیب ہوتی ہے۔ جملہ انبیاء کرام نے ہجرت کی، اولیاء اللہ نے ہجرت کی۔ جس طرح بندے ہجرت کرتے ہیں، اس طرح روحیں اور طبیعتیں اور عادات بھی ہجرت کرتی ہیں۔ ہجرت کے بعد نئے وطن میں تَـحَضُّر و تخلق ہوتا ہے۔ بندہ پھر اس وطن کی بولی، لباس، رہن سہن اپناتا ہے۔ نئے وطن نہیں بنتے جب تک پچھلے وطن یاد رہیں۔

۶۔ تـنـقـل: یہاں سے پردے اٹھتے ہیں اور بندہ اگلے روحانی مقام میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اس تـنقل کے بعد بندے کو ولـلآخرۃ خیرلک من الاولیٰ کا فیض ملتا ہے اور بندے کی کیفیت و حال یہ ہو جاتا ہے کہ مل جائے تب بھی راضی رہتا ہے اور نہ ملے تب بھی راضی رہتا ہے۔

## 11۔ ۳۰ ویں شبِ رمضان المبارک

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے شہر اعتکاف میں رمضان المبارک کی آخری رات مثنوی مولانا روم سے ادب کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اس امر پر روشنی ڈالی کہ رمضان المبارک کے بعد اور روحانی فیوضات کے حصول کے بعد اب فکر یہ کرنی ہے کہ اس بستیِ عشق سے جو کچھ ملا اس کو سنبھالنا کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا:

توجہ الی اللہ، محبت و عشق کی رغبت، آخرت اور گناہوں سے بیزاری کے حوالے سے جو کچھ ملا ہے اس کو برقرار رکھنا اصل امتحان ہے؟ کسی محفل و مجلس میں کیف اور کیفیت کا آنا بندے کا کمال نہیں بلکہ محفل اور وقت کی برکات اور نزولِ تجلیات اور اثرات سے کیفیت آتی ہے۔ اس لیے کہ بلب کے نیچے بیٹھیں گے تو روشنی ملے گی۔ کیفیت کی مثال جگنو کی چمک سی ہے۔ کچھ لمحہ کے لیے چمک آئی اور بجھ گئی۔ کیفیت مجلس، صحبت، عبادت اور زیارت کے اثر سے آتی ہے۔ یہ عارضی چیز ہوتی ہے۔ اس کے بعد محنت شروع ہوتی ہے۔ اس کیف کو برقرار رکھنا اصل امتحان اور مشقت طلب کام ہے۔

اس کیفیت پر نیک اعمال کا حصار قائم کرنا اس کو محفوظ کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔ اس لیے کہ نیک اعمال کا اپنا اثر بھی ہے اور یہ پہلے سے موجود کیفیت کو محفوظ بھی کرتے ہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ اے بندے تجھے اعمالِ خیر کرتے ہوئے 40 سال گزر چکے مگر اس کا کوئی اثر تیرے من پر ظاہر نہیں ہوا۔ تیری مثال اس بندے کی طرح ہے کہ جس نے پورے سال کی گندم بوریوں میں محفوظ کر کے رکھی ہیں، مگر اُسے پتہ ہی نہیں چلا کہ اس بوری میں چوہوں نے سوراخ کر دیا اور وہ اس کی کمائی کو کھانے لگے۔ اس طرح اس بندے کی پوری کمائی تباہ و برباد ہوتی چلی گئی۔ اس مثال کو بیان کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ اے بندے! تیرے من کی بھی ایک بوری ہے جس کو شہوات و نفسانیت کے چوہوں نے تباہ و برباد کر دیا۔ اگر نفس کا چوہا تیری گندم کو نہ کھاتا تو 40 سال کے اعمال خیر کا

کچھ نہ کچھ اثر تو تیری طبیعت پر ہوتا۔ اپنا جائزہ لے کہ اعمالِ خیر کی کثرت کے باوجود تیری طبیعت اور مزاج کتنا بدلا؟ کیا سختی نرمی میں بدلی؟ اندھیرا دور ہوا؟ اخلاص اور اخلاق کتنا آیا؟ جودوسخا کتنا آیا؟ اگر اس طرح کے اثرات تیرے اوپر مرتب نہیں ہوئے تو جان لے کہ تیرے من کی بوری کو بھی رذائل نفس کے چوہے برباد کررہے ہیں اور تجھے ان کی کوئی خبر نہیں۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ ہر روز کی عبادت کا اگر ایک ایک دانہ بھی اکٹھا ہوتا رہتا تو آج اس کا اثر کچھ نہ کچھ ہوا ہوتا۔ رنگ ڈھنگ بدل گیا ہوتا، خیر کا چشمہ پھوٹتا، لوگوں کو تیری زبان و ہاتھ سے فائدہ پہنچتا، تیری عبادت کا تیری طبیعت پر اثر ہوتا۔ افسوس اس طرح نہیں ہے۔ ہم اعمال کا اناج اکٹھا کرتے ہیں اور رذائل خبیثہ کے چوہے اس کو ختم کرتے رہتے ہیں۔

روحانی کیفیت ریاضت ومجاہدہ سے مضبوط ہوتی ہے۔ یہ جم جائے تو اس کو حال کہتے ہیں۔ کیفیت کو حال میں بدلیں تاکہ یہ مستقل ہوجائے۔ اس چراغدان میں محبت، اطاعت، معرفت، عبادت، صدق، اخلاص، روزہ، گریہ و زاری کی صورت میں تیل ڈالتے رہیں تاکہ یہ چراغ بجھنے نہ پائے۔ حال آجائے تو اس میں بھی زیرو بم آتا ہے۔ یہ کیفیت کی طرح جاتا نہیں مگر اس میں اونچ نیچ آتا ہے، تموّج وتغیر ہوتا ہے۔ اس حال کو مضبوط کریں، صدق و اخلاص سے کاوشیں کریں تو پھر اس سالک کی زندگی میں یہ حال اس کے مقام میں بدل جاتا ہے۔ جو کیفیت ملی اس کو ریاضت و مجاہدہ اور اعمال صالحہ سے محفوظ کریں اور اس کو بچا کر لے جائیں، اس میں اضافہ کریں۔

کیفیت کو حال میں بدلنے میں ایک اہم چیز ''ادب'' ہے۔ بندے کی زندگی میں جتنے خصائلِ حمیدہ ہیں، اخلاق حسنہ ہیں، ان ساروں کا جمع ہونا ادب کہلاتا ہے۔ ادب صرف تعظیم کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ہر حقدار کا حق خوبصورت طریقے سے ادا کرنا ادب ہے۔ اللہ سے بندگی، حضور ﷺ سے غلامی اور ہر مخلوق کو اس کا حق ادا کرنا اور اس کے ساتھ خوبصورت طریقے سے معاملہ کرنا ادب ہے۔ ادب سے بندہ اللہ کا محبوب و مقرب بنتا ہے اور ادب سارے دروازے کھول دیتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں: جس نے محنت کر کے اپنے آپ کو ادب نہ سکھایا، اس کی عبادت اخلاص سے خالی رہتی ہے۔

حضرت ابوحفص بغدادی فرماتے ہیں کہ ظاہری ادب کے ذریعے ہی باطن پر ادب کا رنگ چڑھتا ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص روز اپنی اولاد کو کچھ دیر کے لیے ادب سکھائے تو ایسا کرنا صدقہ و خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ پس جس نے حسنِ ادب سے زندگی گزاری، اللہ اسے مفاتیح الخیر عطا فرمادیتا ہے اور یاد رکھیں! ادب سے ہی ایمان کی معرفت ہے۔

## 12-۳۰ رمضان المبارک

امسال آخری روزہ جمعۃ المبارک کے دن نصیب ہوا اور جمعۃ الوداع اس سال کا آخری روزہ تھا۔ جمعۃ الوداع کا خطاب محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری نے ارشاد فرمایا:

### خطاب جمعۃ الوداع: ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں لازم وملزوم ہیں۔ کسی ایک پہلو کو انسان تھام لے اور دوسرے پہلو کو چھوڑ دے تو وہ کمال اور ترقی کی منزل نہیں پاسکتا۔ جب تک وہ دونوں پہلوؤں کو بیک وقت تھام کر نہ چلے اور اس پر عمر بھر عمل پیرا نہ رہے اس وقت تک اللہ پاک کا قرب نصیب نہیں ہوتا۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو جس قسم کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، وہ عبادت ہمارے نزدیک احکام الٰہی کی بجا آوری اور بندوں سے پیار کا اظہار ہے۔ یہ دونوں چیزیں جمع ہوکر درحقیقت وہ عبادت بنتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہم سے مطلوب ہے۔

یہ ماہ مبارک جب آتا ہے تو ہمارا دھیان حقوق اللہ کی طرف ہوجاتا ہے، ہم دن رات عبادات میں مشغول رہتے ہیں لیکن اللہ پاک نے اسی ماہ مبارک کو جہاں حقوق اللہ کے لیے رکھا وہاں انسانیت کی خدمت کے لیے حقوق العباد کی طرف بھی توجہ دلوائی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ تمام قیدیوں کو رہا فرمادیتے پھر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یوں تو کریم

ہیں، آپ کے در سے کبھی کوئی خالی دامن لوٹا ہی نہیں لیکن جب ماہ رمضان میں آپ سے کوئی مانگنے آتا تو آپ اس کو باقی ایام کے مقابلے میں بے پناہ عطا فرماتے یعنی آپ کی سخاوت ماہ رمضان میں اپنے جوبن پر ہوتی۔

امام سیوطی بیان کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے اس ماہ رمضان میں درحقیقت جہاں پر حقوق اللہ کی ترغیب دی وہاں پر حقوق العباد کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے۔ حقوق العباد سے مراد صدقہ و خیرات، لوگوں کی غمگساری، غریب پروری، اپنے بھائی کی مدد کے لیے نکلنا، اس کا سہارا بننا، اس کی تکلیف کو دور کرنا ہے۔ یہ وہ اعمال ہیں کہ جن کو قرآن مجید میں اس کثرت سے بیان کیا گیا ہے کہ اس سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ حقوق العباد کا مختلف مقامات پر بیان کرکے یہ واضح کردیا کہ تم ساری زندگی دیگر عبادات کرتے رہو، اعتکاف کرتے رہو، روزے رکھتے رہو راتوں کے قیام کرتے رہو، تلاوت قرآن کرتے رہو ذکر و اذکار و وظائف کی تسبیح کرتے رہو اگر تم اپنے دوسرے بھائی کے مددگار نہیں ہو، اس کے لیے خوشی کا سامان مہیا کرنے والے نہیں ہو تو سب کچھ کرنے کے باوجود بھی تم خدا کا قرب نہیں پاسکتے۔

عبادات کا کوئی عمل اگر ادھورا رہ جائے تو اس کا کفارہ ہے جب تک مکمل نہیں ہوتا تو ادا تصور نہیں ہوتا لیکن حقوق العباد کا معاملہ ایسا ہے کہ کام کرنے نکلے اور راستے میں موت آگئی تو اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ میرے بندے کی حاجت روائی کے لیے نکلا تھا لہٰذا اس کو بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل کردو۔ معلوم ہوا دنیا میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے غریب بھائی کی ہر لحاظ سے مدد کی جائے۔

اس دور میں قرآن مجید کی تعلیمات، تاجدار کائنات اور اولیاء وصوفیاء کے اسوہ کی صحیح امین جماعت تحریک منہاج القرآن ہے۔ یہ جہاں پر اہمیتِ خدمت دین پر توجہ دیتی ہے وہاں پر اہمیتِ خدمت خلق پر بھی توجہ دیتی ہے۔ جہاں پر اعتکاف کے ذریعے دس دس راتوں کی شب بیداریاں سجاتی ہے، گوشہ درود کے ذریعے آقا علیہ السلام سے نسبت جوڑتی ہے، علمی اور تحقیقی کام کے ذریعے امت کے پسماندہ ہونے والی اقدار کو پھر سے زندہ کرتی ہے وہاں پر تعلیمی منصوبہ جات کے ذریعے جہالت کے اندھیروں میں نور بھی عام کرتی ہے۔ ویلفیئر فاؤنڈیشن کے ذریعے سینکڑوں یتیم بچوں کی پرورش بھی کررہی ہے، بیابان علاقوں میں پانی مہیا کررہی ہے، غریبوں کو کھانا بھی فراہم کرتی ہے۔ اس دور میں درحقیقت تحریک منہاج القرآن اور شیخ الاسلام نے قرون اولی کی ان خانقاہوں کی اصل روح کو زندہ کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ خانقاہیں ایک علاقوں تک تھیں مگر شیخ الاسلام نے پوری دنیا میں اس کام کو پھیلادیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بھی اس عظیم اسوہ اور اس عظیم مشن کے ساتھ جڑ جائیں اور زندگیوں میں تبدیلی لے آئیں کہ جہاں حقوق اللہ ادا کریں وہاں حقوق العباد کی ادائیگی پر بھی توجہ دیں۔

## رمضان المبارک 2018ء میں طبع ہونے والی نئی کتب

حسبِ روایت 27 ویں شب کی مقدس ساعتوں میں اِمسال بھی فرید ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ (FMRi) کے زیراہتمام مجددِ رواں صدی، قائدِ مصطفوی انقلاب اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری اور محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی علمی و تحقیقی اور فکری موضوعات پر درج ذیل تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظرِ عام پر آئی ہیں۔

### 1. نُورُ الْقَمَرَیْنِ فِی فَضَائِلِ الْحَرَمَیْن

**(فضائلِ حرمین شریفین)**

اس کتاب میں حج اور عمرے کے فضائل اور ان کے مناسک پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مدینہ منورہ کی دیگر شہروں پر حرمت و تکریم کو آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ روضہ رسول ﷺ کی زیارت اور مزارِ پُرنور کی حاضری کے آداب قرآن و حدیث، اَقوالِ اَسلاف اور اَہلِ سنت کے چاروں فقہی مذاہب کے اَئمہ کے اقوال کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

### 2۔ نَضْرَةُ النُّورِ فِي فَضْلِ الطُّهُوْر

**(طہارت اور پاکیزگی کی فضیلت اور اَحکام: احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں)**

اس کتاب میں طہارت کے فقہی پہلوؤں پر مشتمل مستند

احادیث مع تحقیق و تخریج مرتب کی گئی ہیں۔ اور مذکورہ موضوع کی وضاحت اور اس سلسلے میں علمی اِشکالات کا بطریقِ اَحسن ازالہ بھی کیا گیا ہے۔

3۔ عُمْدَۃُ التَّصْرِیْح فِی قِیَامِ رَمَضَانَ وَصَلَاۃِ التَّرَاوِیْح

اس کتاب میں قیامِ رمضان کی فضیلت اور بیس رکعات نمازِ تراویح کو قرآن و حدیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ مذکورہ تالیف میں نمازِ تراویح کی فضیلت، اہمیت اور بطور سنت روشنی ڈالی گئی ہے۔

4۔ عَوْنُ الْمُغِیْث فِی طَلَبِ عِلْمِ الْحَدِیْث

(حصولِ علم کے لیے سفر، مذاکرہ اور کتابتِ حدیث)

اس تالیف میں سب سے پہلے حصولِ علم اور طلبِ احادیث کے لیے صحابہ کرام و تابعین عظام رضی اللہ عنہم، ائمہ کرام اور سلف صالحین کے طویل، مشکل، کٹھن لیکن مبارک اَسفار کے احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اِس کے بعد مذاکرہ حدیث اور کتابتِ حدیث کی اہمیت و آغاز پر احادیثِ مبارکہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین کے اقوال و معمولات درج کئے گئے ہیں۔

5۔ فقہ القلوب: قلبی حیات وممات

یہ کتاب ناروے میں ہونے والے سہ روزہ تربیتی و اِصلاحی کیمپ 'الہدایہ یورپ 2017' میں ہونے والے دروس کا مرتبہ مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں حیاتِ قلبی کے مختلف دقیق نکات پر انتہائی آسان انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

6۔ سلسلہ تعلیماتِ اِسلام (12): بچوں کی تعمیرِ شخصیت

11 سے 16 سال کی عمر تک بچوں کی تعمیرِ شخصیت، دینی و اخلاقی اور سماجی و نفسیاتی تربیت کے حوالے سے یہ کتاب دراصل ایک گائیڈ بک ہے جو نسلِ نو کو ایک اچھا مسلمان اور ذمہ دار شہری بناتی ہے۔

☆ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی درج ذیل چار عربی کتب اِس وقت بیروت میں زیرِ طبع ہیں، یہ کتب اِن شاء اللہ بہت جلد منظر عام پر آجائیں گی:

7. فَلْسَفَۃُ الْحُرُوْفِ الْمُقَطَّعَۃ (تَفْسِیْر الٓمّٓ نَمُوْذَجًا)

8. تَکْوِیْنُ الشَّخْصِ الانسَانِی فِی سُوْرَۃِ السَّبْعِ الْمَثَانِی

9. فَلْسَفَۃُ الْحَیَاۃِ فِی الاِسْلَام

10. حُکْمُ السَّمَاعِ عَنْ اَھْلِ الْبِدَعِ وَالْاَھْوَاء

## ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی نئی کتب

1۔ خدمت دین کے تقاضے اور ہمارا کردار

اس کتاب میں دین کی خدمت کرنے والے کارکنان کے لیے مفید نکات بیان کیے گئے ہیں کہ وہ کس طرح اپنی تحریکی کوششوں میں اِخلاص و اِستقامت کا جذبہ پیدا کر سکتے ہیں۔

2. Parents' Rights in Islam
(Social and Scientific Perspective)

اس کتاب میں انگریزی زبان میں والدین کے حقوق نہ صرف اسلامی تناظر میں بلکہ سماجی و سائنسی انداز سے تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کتاب میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ والدین کے حقوق کیوں ہیں، وہاں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے والدین کے کاندھوں پر نسلِ نو کی تربیت کی بہت بڑی ذمہ داری اور بارِگراں بھی ہے۔

## ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی نئی کتب

1۔ مقالاتِ عصریہ (جدید تحقیقی مباحث): جلد اَوّل

اس تحقیقی دستاویز میں مختلف موضوعات جیسے اِسلامی فنونِ لطیفہ، مسلمانوں کے کارہائے نمایاں، حیاتِ انسانی کی اقسام، حقوقِ نسواں، فلسفہ تعددِ ازواج اور عصرِ حاضر کے مسائل جیسے مختلف تحقیقی زاویوں پر شان دار انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے اور ان تمام مسائل کا مناسب حل بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔

2۔ اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

(خانقاہوں اور مزاراتِ اَولیاء کے حوالے سے تحقیقی مطالعہ)

اس کتاب میں اِنسان دوستی کے حوالے سے اَولیاء کرام کے کارناموں کو بہترین انداز سے سلام عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ خدمتِ خلق کے حوالے سے اِسلامی تعلیمات پر یہ ایک منفرد تحریر ہے۔ کس طرح اَولیاء اللہ نہ صرف اپنی زندگی میں بلکہ بعد اَز وصال بھی ہمہ وقت مخلوقِ خدا کی حاجت روائی کرتے ہیں اور خلق خدا ہر لحظہ ان سے فیض یاب ہوتی رہتی ہے۔ گویا مزاراتِ اَولیاء کے سماجی و معاشی پہلو پر محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے۔

❁❁❁❁❁

# اہلِ سنت کے امتیازی اعتقادات

## احکام شرعیہ کے 4 مصادر...... کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ ﷺ، اجماع امت، قیاس

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

**سوال: اہل سنت کے امتیازی اعتقادات کیا ہیں؟ جو اسے دیگر مسالک سے ممتاز کرتے ہیں؟**

جواب: اہلسنت و الجماعت ان عقائد کو جو ضروریات دین ہیں‘ قرآن و سنت کی قطعی الثبوت وقطعی الدلالت نصوص سے مستنبط کرتے ہیں۔ان عقائد میں کسی مجتہد کی رائے، اجتہاد یا قیاس کو دخل نہیں کیونکہ اساسی عقائد قیاسی یا اجتہادی نہیں ہوتے بلکہ منصوص ہوتے ہیں۔ اہلسنت کے اعتقاد جو ان کو دیگر اعتقادی مذاہب سے جدا کرتے ہیں‘ درج ذیل ہیں:

۱۔ عقائد اسلامیہ کے مصادر و مراجع تین ہیں:

i۔ کتاب اللہ ii۔ سنت رسول اللہ iii۔ اجماع

(الفرق بین الفرق: ۲۸۷)

۲۔ احکام شرعیہ کے مصادر و مراجع چار ہیں:

i۔ کتاب اللہ ii۔ سنت رسول اللہ

iii۔ اجماع امت iv۔ قیاس (اصول الشاشی: ۵۰)

۳۔ ماسوی اللہ، عالَم ہے اور عالَم فانی ہے، عالَم، اللہ کی مخلوق ہے، اور اس عالَم کا صانع اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ؛ مخلوق، مصنوع یا عالَم کی کسی جنس سے نہیں ہے۔

۴۔ ملائکہ اور جن و شیاطین عالَمِ حیوانات کی جنس سے مستقل مخلوقات ہیں اور ان کا وجود ہے، اس کا منکر گمراہ ہے۔

۵۔ آسمان اور زمین کے سات سات طبقے ہیں۔

۶۔ عالَم کا فنا ہو جانا بطریقِ قدرت و امکان جائز ہے۔

۷۔ جنت و جہنم ابدی ہیں۔ جنت و دوزخ مخلوق ہیں اور جنت کی نعمتیں اہل جنت پر ہمیشہ رہے گی، اور دوزخ کا عذاب مشرکین، منافقین و کافرین پر ہمیشہ رہے گا۔

۸۔ تمام حوادث کے لے محدث (وجود میں آنا) ہونا اور صانع کا ہونا ضروری ہے، وہی اعراض کا بھی خالق ہے اور اجسام کا بھی صانع۔ وہ ازلی و ابدی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، وہ بے نیاز ہے، نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی۔ اس پر فنا نہیں، اس کو صورت اور اعضاء سے متصف کرنا محال ہے۔ اللہ کو نہ کوئی مکان گھیرے ہوئے ہے اور نہ زمان۔ اللہ پر آفات، رنج و غم، آلام و لذات طاری نہیں ہوتیں۔ حرکت وسکون کا اللہ تعالیٰ سے صدور نہیں۔ اللہ اپنی مخلوق سے کسی قسم کا نفع نہیں حاصل کرتا اور نہ مخلوق کی مدد کا محتاج ہے۔اللہ ایک ہی ہے۔ نہ اس کے مثل کوئی ہے اور نہ اس کے برابر کوئی ہے۔

۹۔ اللہ کا علم، قدرت، حیات، ارادہ، سمع، بصر،کلام، سب ازلی ہے۔ اللہ کی تمام مخلوقات پر قدرت واحدہ ہے، اللہ کو اختراع کے طریقہ پر قدرت حاصل ہے نہ کہ اکتساب کے طریقہ پر۔ اللہ کا علم واحد یعنی ایک ہے اور اس سے وہ تمام معلومات کو تفصیل سے جانتا ہے اور اللہ کو علم حسِ بدیہہ اور استدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ سمع و بصر تمام مسموعات و مرئیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ ازل سے اپنے نفس کو دیکھنے والا اور نفس کے کلام کا سننے والا ہے۔

۱۰۔ آخرت میں مؤمنین اللہ تعالیٰ کو اس کی شان کے مطابق دیکھیں گے اور وجودِ حق کی زیارت کریں گے۔

۱۱۔ اللہ کا ارادہ اس کی مشیت و اختیار سے عبارت ہے۔ اللہ کا

ارادہ اس کی تمام مرادات میں ان سے متعلق اس کے علم کے مطابق نافذ و جاری ہوتا ہے۔ عالم میں چھوٹی بڑی کوئی بھی چیز اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتی جب تک اللہ کا ارادہ اس کے وجود میں لانے کا نہ ہو۔ اللہ جیسا چاہتا ہے ویسا ہوتا ہے اور اللہ جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ جو چاہے اس پر راضی بھی ہو۔ اللہ کی رضا اور اللہ کا ارادہ دونوں الگ الگ ہے۔

۱۲۔ اللہ کی حیات بلا روح اور بلا کسی غذا کے ہے۔

۱۳۔ تمام ارواح مخلوق ہیں۔

۱۴۔ اللہ کا کلام صفتِ ازلی ہے، غیر مخلوق اور غیر حادث ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و اوصاف توفیقی ہیں؛ وہی اسماء و اوصاف اللہ پر بولے جائیں جو قرآن یا احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔ سنتِ صحیحہ کے رو سے اسماءِ حسنٰی ننانوے ہیں، جس نے اس کا احصاء (معنی و مطالب پر اعتقاد رکھتے ہوئے اسے یاد کر لیا) کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

۱۶۔ اسماء حسنی کی تین قسمیں ہیں:

i۔ وہ اسماء جو اللہ کی ذاتِ اقدس پر دلالت کریں، مثلاً: واحد، اول، آخر، جلیل وغیرہ۔

ii۔ وہ اسماء جو صفاتِ ازلیہ پر دلالت کریں، مثلاً: حی، قادر، عالم، مرید، سمیع، بصیر وغیرہ۔

iii۔ وہ اسماء و صفاتِ جو اللہ کے افعال سے مشتق ہوں، مثلاً: خالق، رازق، عادل وغیرہ۔

۱۷۔ اللہ تعالیٰ اجسام و اعراض اور ان کے خیر و شر کا خالق ہے، وہ بندوں کے اکتساب کا بھی خالق ہے، اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی خالق نہیں ہے۔ بندہ اپنے عمل کا مکتسب ہے اور اللہ اس کے کسب کا خالق ہے۔

۱۸۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت دو وجوہ سے ہوتی ہے:

اول وہ ہدایت جو حق کے وضوح اور اس کی ابانت سے ہے، وہ اس کی جانب بلانے سے اور اس پر دلائل کے قیام سے حاصل ہوتی ہے۔ اس وجہ کی بناء پر ہدایت کی نسبت رسولوں اور اللہ عزوجل کے دین کی طرف بلانے والے ہر داعی کی جانب کی جاسکتی ہے۔

ہدایت کی دوسری صورت یہ ہے کہ بندوں کے قلوب میں براہِ راست قدم زنی کی خواہش پیدا کر دی جائے۔ اس نوع کی ہدایت پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور قادر نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہلی ہدایت تمام مکلفین کو شامل ہے اور دوسری ہدایت خواص مجتہدین کے لئے ہے۔ اس کی تحقیق کی غرض سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو گمراہ کرتا ہے عدل کی بناء پر کرتا ہے اور جسے وہ ہدایت دیتا ہے اپنے فضل (مہربانی) سے دیتا ہے۔

۱۹۔ آجال (اجل، موت، مرگ، مدت، وقت) طبعی موت یا قتل سے مرا وہ اجل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کے لئے مقرر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آدمی کو زندہ رکھنے اور اس کی عمر میں اضافہ کرنے پر قادر ہے۔

۲۰۔ اگر اللہ بندوں کو کسی چیز کا مکلّف نہ کرتا تو اس کا عدل ہوتا، تکلیف میں کمی زیادتی بھی اللہ کے لیے روا ہے، اللہ مخلوق کو پیدا نہ کرتا تب بھی حکیم ہوتا۔ اگر اللہ بندوں کو جنت میں پیدا کرتا تو اس کا فضل ہوتا۔ اللہ آمر، ناہی اور حاکم مطلق ہے۔

۲۱۔ مخلوق کی جانب انبیاء و رُسل کا بھیجنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ نبوت و رسالت وہبی ہے کسبی نہیں۔

۲۲۔ ہر وہ شخص جس پر اللہ کی جانب سے کسی فرشتہ کے توسط سے وحی نازل ہوتی ہے اور ایسے معجزات کے ذریعہ جو خرق عادت ہوں اللہ تعالیٰ نے اسے تائید عطاء فرمائی ہو وہ نبی ہے اور جس شخص کو یہ تمام باتیں عطاء کی گئی ہوں اور ان کے ساتھ ساتھ اسے نئی شریعت دی گئی ہو یا پہلے سے موجود شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرنے کا حکم دیا گیا ہو، وہ رسول ہے۔

۲۳۔ انبیاء کی تعداد بہت زیادہ ہے مگر ان میں سے رسول صرف 313 ہیں۔ اول الرسل تمام انسانوں کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخری رسول محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت کی تکفیر کی جائے گی۔

۲۴۔ نبی کے لئے ایک معجزہ لانا ضروری ہے، جو اس کے دعوی نبوت کی سچائی کی دلیل ہو۔ سو جب ایک معجزہ ظاہر ہو جائے کہ نبی کی صداقت کی دلیل ہو اور لوگ اس جیسا معجزہ لانے سے عاجز ہوں تو لوگوں پر اس نبی کی تصدیق کی حجت واجب ہو جائے گی اور اس کی اطاعت ان پر لازم ٹھہرے گی۔ اگر اس کے بعد بھی اس معجزہ کے علاوہ لوگ کسی اور معجزہ کا مطالبہ کریں تو اللہ عز وجل پر منحصر ہے، اگر اس کی مشیت ہوئی

تو اس دوسرے معجزہ سے وہ نبی کو قوی دست کرے گا اور اگر اس کا ارادہ ہوگا تو اس دوسرے معجزہ کے طلب کرنے والوں کی گرفت کرے گا اور انہیں اس جرم کی سزا دے گا کہ اس نبی کی سچائی کی جو دلیل ظاہر ہوگئی ہے اس پر وہ ایمان نہ لائے۔

۲۵۔ اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور جائز ہے۔ یہ کرامات ان کے احوال کی سچائی کی دلیل ہوتی ہیں۔ صاحبِ معجزہ (نبی ورسول) پر معجزہ کو ظاہر کرنا اور اس سے مخالفوں سے معارضہ وتحدی کرنا ہے جبکہ صاحبِ کرامت (ولی) اپنی کرامت سے کسی کی تحدی نہیں کرتا، بلکہ اکثر اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ اسی طرح صاحب المعجزہ کا انجام اور عاقبت مامون ومحفوظ ہوتی ہے، صاحبِ کرامت اپنے انجام کے متغیر ہو جانے سے محفوظ نہیں ہوتا۔

۲۶۔ قرآن کریم ایک معجزہ ہے اور یہ معجزہ 'نظم قرآن' (اسلوب، انداز، ترتیب) ہے۔

۲۷۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کے معجزات میں سے معجزہ شق القمر، آپ ﷺ کے ہاتھوں میں کنکریوں کا اللہ تعالی کی پاکی بیان کرنا، تھوڑے کھانے سے آپ ﷺ کا بہت سے لوگوں کو سیر کرنا شامل ہے اور اس جیسے آپ ﷺ کے معجزات بکثرت ہیں۔

۲۸۔ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔ یہ گواہی کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں، قیام صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، صوم رمضان اور حج بیت الحرام۔ ان ارکان کا سقوط وتاویل کفر ہے۔ جس کسی نے ان پانچ ارکان میں سے کسی رکن کے وجوب کو ساقط کر دیا، کسی قوم کی دوستی اور ان کی موالات کے معانی پر ان کی تاویل کی وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

۲۹۔ صلوٰۃ مفروضہ پانچ وقت کی ہیں۔ جس نے بھی ان میں کسی کو ساقط کیا وہ کافر ہے۔ صلوٰۃ جمعہ کا منعقد کرنا واجب ہے۔

۳۰۔ اعیان میں سے سونے، چاندی، اونٹ، گائے، بیل (بھینس) اور بھیڑ، بکری میں زکوٰۃ واجب ہے، ان جانوروں کا چرنے والا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ غذائی اجناس میں، جن کو لوگ کاشت کرتے ہیں اور انہیں غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں واجب ہے۔ کھجور اور انگور کے پھلوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

۳۱۔ صوم رمضان واجب ہے اور اوقات صیام میں اس کے توڑنے کو کسی عذر کے بغیر یا صغرسنی یا دیوانگی یا بیماری یا سفر یا ایسی دوسری مجبوریوں کے علاوہ حرام ہے۔ ماہِ رمضان کا اعتبار ہلال رمضان کی رؤیت سے یا ماہ شعبان کے تیس دن پورے ہو جانے پر ہوگا۔

۳۲۔ زندگی میں ایک مرتبہ اس آدمی پر حج فرض ہے جس میں مکہ تک جانے کی استطاعت ہو۔ حج کو ساقط کرنا کفر ہے، البتہ عمرہ کا وجوب ساقط کرنے سے کفر مستلزم نہیں ہوتا کیونکہ وجوب عمرہ کے بارے میں امت میں اختلاف رائے ہے۔

۳۳۔ صلوٰۃ کے صحیح ہونے کے لئے حسب امکان طہارت، ستر عورت، وقتِ مقررہ اور قبلہ کی جانب منہ کرنا شرائط ہیں۔

۳۴۔ اعدائے اسلام کے خلاف جہاد لازم ہے۔

۳۵۔ بیع (خرید وفروخت) جائز وحلال ہے مگر رباء، سود حرام ہے، جو رباء کو مجملاً بھی مباح سمجھتا ہو وہ گمراہ ہے۔

۳۶۔ شرمگاہ نکاحِ صحیح یا مِلکِ یمین کے سوا مباح نہیں ہے۔

۳۷۔ زنا، سرقہ، شراب خواری اور قذف (بہتان طرازی) میں حد شرعی جاری کرنا واجب ہے۔

۳۸۔ مکلفین کے افعال کی پانچ اقسام ہیں: واجب، محظور، مسنون، مکروہ اور مباح۔ لیکن بہائم، اطفال اور مجانین (مجنون، پاگل) کے افعال کا اباحت، وجوب اور خطرے سے کوئی واسطہ نہیں اور انہیں کسی حال میں ان سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔

۳۹۔ مکلفین پر معرفت، قول یا فعل سے متعلق تمام وہ امور جو واجب ہوتے ہیں، وہ ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے واجب ہوتے ہیں اور ہر وہ امر جس کا کرنا مکلفین کے لئے ممنوع ہے، ایسا اللہ تعالی کی ممانعت کے باعث ہوتا ہے۔ اگر بندوں پر اللہ تعالی کی جانب سے امر ونہی کا حکم وارد نہ ہوتا، تو ان پر کچھ بھی واجب نہ ہوتا اور نہ ان پر کوئی چیز حرام ہی ہوتی۔

۴۰۔ اہل سنت کے نزدیک سوال منکر نکیر اور عذاب قبر برحق ہے۔

۴۱۔ حوض کوثر، صراط یعنی پل صراط، میزان یعنی وزنِ اعمال کا برپا ہونا حق ہے اور اس کا منکر گمراہ ہے۔

۴۲۔ قیامت کے دن نبی کریم ﷺ اور آپ کی امت کے علماء وصلحاء گناہگار مسلمانوں کی شفاعت کریں گے۔

۴۳۔ مسلمانوں کے نظمِ اجتماعی کا قیام اور امام کا تقرر واجب ہے، اس کی بنیاد شورائیت، عدالت اور علم ہے۔

۴۴۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بعد خلیفہ برحق ہیں اور آپ صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔

۴۵۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم امام برحق ہیں اور جنگ

جمل، جنگ صفین و نہروان میں آپ بر سرِ صواب تھے۔ آپ کے دیگر مخالفین اجتہادی غلطی پر تھے، البتہ نہروان میں خوارج صریح غلطی و بطلان پر تھے۔

۴۶۔ تمام صحابہ عادل ہیں، ان میں سے کسی ایک کی بھی تکفیر یا فاسق و فاجر ہونے کا خیال گمراہی ہے۔ صحابہ کرام میں 'عشرہ مبشرہ' یقینی طور پر جنتی ہیں۔ تمام ازواج مطہرات کی موالات لازم ہے۔ اسی طرح آلِ رسول سے موالات ضروری ہے۔

۴۷۔ کسی مسلمان کا قتل صرف تین حالتوں میں جائز ہے:

i۔مرتد ii۔شادی شدہ زانی iii۔ بیگناہ کا قاتل

۴۸۔ ملائکہ گناہوں سے معصوم ہیں۔

۴۹۔ احادیثِ صحیحہ کی رو سے امت محمدی ﷺ کے ستر ہزار (70000)اشخاص کسی حساب کتاب کے بغیر بخش دیئے جائیں گے اور جنت میں داخل کر لئے جائیں گے۔ ان میں سے ہر ایک شخص ستر ہزار اہلِ ایمان کی شفاعت کرے گا۔ اس گروہ میں حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں۔

۵۰۔ بت پرست کسی خاص انسان کے پرستار، ہر حسین وجمیل چیز کے پجاری، چاند سورج کی عبادت کرنے والے، ستاروں کی پرستش کرنے والے، ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہنے والے، شیطان کے پجاری، گاؤ ماتا کی پوجا کرنے والے، آگ کی عبادت کرنے والے؛ یہ سب کفار مشرکین ہیں۔ مسلمان کے لیے ان کے ذبیحے، ان کی عورتوں سے نکاح اور عبادات و ریاضات میں ان کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔

۵۱۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے۔

۵۲۔ خواہش نفسانی کے پیروکار اسلام کی جانب اپنے انتساب کے باوجود گمراہ اور بدعقیدہ ہیں۔

۵۳۔ اہل السنّت آپس میں ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتے۔ ان کے درمیان ایسے اختلافات نہیں ہیں جن سے برأت اور تکفیر لازم آتی ہو۔ یہ اس جماعت سے وابستہ ہیں جو حق کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالیٰ حق اور اہل حق کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی لئے یہ لوگ ایک دوسرے کو برے الفاظ سے یاد نہیں کرتے اور نہ ایک دوسرے کا توڑ کرتے ہیں۔

❁❁❁❁❁

# مذہبی مدارس اور جدید تعلیمی ادارے

ڈاکٹر حسین محی الدین القادری

## 1947ء میں مذہبی مدارس کی تعداد 189 تھی، آج 40 ہزار سے تجاوز کرگئی

## فرقہ واریت کے واقعات میں ہزاروں گھرانے برباد ہوئے

قسط نمبر 4

’’پاکستان کا نظامِ تعلیم، متشدّد رجحانات اور مدارس دینیہ‘‘ کے عنوان سے ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی حال ہی میں ایک منفرد تحقیقی کتاب شائع ہوئی ہے۔ کتاب میں پاکستان میں نظامِ تعلیم کو درپیش مسائل کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان مسائل کے حل کیلئے قابل عمل تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ کتاب میں مدارسِ دینیہ و دیگر تعلیمی اداروں سے متعلق تحقیقی جائزہ، اعداد و شمار اور تاریخی پس منظر کو صراحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ کتاب میں مذہبی مدارس کے تاریخی پس منظر، قرونِ اولیٰ و وسطیٰ اور برصغیر پاک و ہند کے مختلف ادوار کا احاطہ کیا گیا ہے۔ نظامِ تعلیم سے متعلق طلبہ و طالبات، اساتذہ اور والدین سے سوال و جواب کے نتیجے میں حاصل ہونے والی معلومات کو کتاب میں بطورِ خاص شامل کیا گیا ہے، جس سے کتاب کی افادیت اور انفرادیت بڑھی ہے۔ کتاب میں مفید نظامِ تعلیم کی تشکیل و ترویج کے ساتھ ساتھ پرامن سوسائٹی کی تشکیل میں معاشی استحکام، مؤثر عدالتی نظام کے قیام، بیداریِ شعور کے ضمن میں میڈیا کے کردار، انتہا پسندانہ تحریر و تقریر کے انسداد اور تحمل و برداشت اور اختلاف رائے کے احترام کی ناگزیریت پر بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کے موضوع کی انفرادیت اور افادیت کے پیش نظر ماہنامہ منہاج القرآن میں اسے ماہِ مارچ 2018ء سے قسط وار شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے ضمن میں آپ اپنی قیمتی رائے سے ضرور آگاہ کیجئے۔ (چیف ایڈیٹر)

تاریخِ اسلام کے زریں دور میں بغداد اور قاہرہ کی بڑی بڑی اسلامی درسگاہوں میں اکتسابِ علم کے لیے شرق و غرب سے کشاں کشاں لوگ آتے تھے۔ پھر تاریخ کا پہیہ گھوما اور صورت حال یہ ہوگئی کہ مسلمان طلبہ اب مغرب سے حصولِ علم کی بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔ آج اپنی یہ زبوں حالی اور کم مائیگی دیکھ کر کوئی بھی دردمند مسلمان خون کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جنگِ آزادی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات و واقعات نے مسلمانوں کے درمیان دو گروہوں کو جنم دیا۔ اس کڑے وقت میں مسلمانوں کے جدت پسند اور روایت پسند دونوں گروہوں نے مسلم کمیونٹی میں تعلیم کے احیاء کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اس تعلیم کی نوعیت، اسلوب اور مقاصد کے حوالے سے مسلمانوں میں افتراق اور ثنویت نے جنم لیا۔ علماء کی قیادت میں روایت پسند گروہ اس نظریہ کا حامل تھا کہ مدارس میں دی جانے والی مذہبی بنیاد پرستی پر مبنی نظامِ تعلیم کے ذریعے ہی مقاصد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ یہ وہ مقصد تھا جس نے انہیں متحرک کیا کہ وہ نئے مدارس بنائیں اور پرانے مدارس کو بھی بحال کریں لیکن ان کی یہ کوشش غفلت اور عدم سرپرستی کا شکار رہی۔ علماء کا خیال تھا کہ (حالات کے پیشِ نظر) معاشی، سیاسی اور اقتصادی مسائل کا حل (جدید تعلیم کو اختیار کرنے کی بجائے صرف) مدارس سے جڑے رہنے میں پوشیدہ ہے۔

دوسرا گروہ ان اِصلاح پسند جدت پسند (modernists) رہنماؤں کا تھا جن کے نزدیک مسلمانوں کے زوال اور جمود کا توڑ اسلامی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید مغربی تعلیم کو اختیار کرنے میں تھا جو مسلمانوں کے لیے روشن خیالی

اور ترقی کی ایک نئی دنیا آباد کر سکتی ہے۔ اس سوچ نے تعلیمی نظام میں ثنویت کو جنم دیا جو برصغیر میں رائج رہی (اور تا حال اس کے اثرات معاشرے میں پائے جاتے ہیں)۔ اس خلیج کو پُر کرنے اور دونوں میں باہمی مطابقت پیدا کرنے کی تمام کاوشوں کے باوجود دونوں ابھی تک ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ یہ (صورت حال) مسلم معاشرے کے درمیان دو واضح نظریاتی اور علمی مکاتب کی عکاسی کرتی ہے۔

## پاکستان کے مذہبی مدارس

1947ء میں پاکستان میں صرف 189 مدارس تھے جبکہ 2002ء میں ملک کے اندر غیر اندراج شدہ مذہبی مدارس کی تعداد 10,000 سے 13,000 ہو چکی تھی۔ ان مدارس میں ایک اندازے کے مطابق 1.7 سے 1.9 ملین طلبہ زیر تعلیم تھے۔ سال 2008ء میں یہ اعداد و شمار 40 ہزار سے بھی اوپر چلے گئے جب کہ آج یہ عدد 50 ہزار سے بھی تجاوز کر چکا ہے۔

یہ مدارس اپنے اپنے مکاتب فکر سے تعلق رکھتے ہوئے مختلف governing bodies کے تحت چل رہے ہیں۔ یہ bodies تنظیم المدارس (بریلوی)، وفاق المدارس (دیوبند)، وفاق المدارس (اہل تشیع)، وفاق المدارس (اہل حدیث) اور رابطۃ المدارس (جماعت اسلامی) کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ اپنے اجتماعی مفادات کے حصول کی خاطر مذہبی مدارس اور اداروں کی ان جماعتوں نے خود کو اتحادِ تنظیماتِ مدارس دینیہ کی چھتری کے نیچے متحد کر رکھا ہے۔

ان مدارس کے نظام اور نصاب میں اصلاحات کے حوالے سے وقتاً فوقتاً مختلف مطالبے ہوتے رہے ہیں۔ لیکن 9/11 کے واقعہ کے بعد اس رجحان میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ اس مقصد کے لیے پرویز مشرف کی حکومت نے دو قانون متعارف کروائے۔ پہلا قانون state-controlled مدارس کا قیام (2001ء)، جب کہ دوسرا پہلے سے موجود مدارس کا حکومتی سطح پر اندراج اور ان میں اصلاحات سے متعلق تھا (2002ء)۔

پہلی قانون سازی کامیابی سے ہم کنار ہوئی اور اس قانون کے تحت پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ مذہبی اداروں اور مذہبی جماعتوں نے مدارس میں اصلاحات اور ان کی رجسٹریشن کے لیے کی جانے والی حکومتی کاوشوں کی بھرپور مزاحمت کی۔ انہوں نے حکومت کو غیر ملکی اثر و رسوخ کے تحت چلنے کا الزام لگایا[1]۔ یہ مذہبی ادارے طلبہ کو درس نظامی پڑھاتے ہیں۔ ان میں سے بعض مدارس نے انگلش، کمپیوٹر سائنس اور دیگر جدید مضامین کو بھی باقاعدہ نصاب کا حصہ بنا رکھا ہے۔

مذہبی مدارس کی اکثریت کورس کے ساتھ ساتھ شدید فرقہ وارانہ رجحانات بھی رکھتی ہے۔ یہاں پڑھائے جانے والے نصاب اور اس کے ذیلی اجزاء کا بغور تجزیہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یہاں پڑھنے والے طلبہ معاشرتی اور اقتصادی زندگی سے کٹ کے رہ جاتے ہیں۔ ان مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کے پاس بہت کم ایسے ہنر اور طریقے ہوتے ہیں جو انہیں عملی زندگی میں بہتر روزگار کے مواقع فراہم کر سکیں[2]۔ ان کا عالمی نقطہ نظر بہت محدود ہوتا ہے اور وہ ہر معاملے کو تعصب کی عینک سے دیکھتے ہیں۔

### i۔ انتہا پسندانہ رُجحانات کی افزائش: ایک المیہ

مدارس میں مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی عقیدے پر مبنی تشدد کا رجحان بھی ایک المیہ سے کم نہیں۔ تشدد کی دیگر اقسام کی بہ نسبت اس کی کئی جہات، پہلو اور ترغیبات (motivations) ہیں۔ ماہرین کا خیال ہے کہ فرقہ وارانہ تشدد مذہب پر مبنی تشدد کی مہلک ترین صورت ہے۔ بلا شبہ مذہبی و نظریاتی اختلافات اسلامی معاشروں کا حسن رہے ہیں اور وہ سب پر امن، دوستانہ اور باہم تعاون کرنے والے تھے۔ اختلافات صرف مختلف مسالک کے رہنماؤں کی علمی تقاریر، مناظروں اور مباحث کا حصہ ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی ایسے موضوعات کو جمعہ کے خطابات اور عوامی اجتماع میں موضوعِ

(1) Sajjad, Mohammad Waqas., (2012). *Madrasas in Pakistan: thinking beyond terrorism-based reforms*. Lahore: Idara Talimat-e-Islam.

(2) Ali, Saleem H., (2009). *Islam and Education: conflict and conformity in Pakistan's madrassas*: Oxford University Press.

بحث نہیں بنایا تھا کہ عوام میں انتشار، بدنظمی، اختلاف اور عدم برداشت پیدا ہو۔ منبر و محراب کو کبھی نزاعی اور اختلافی مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا گیا تھا، بلکہ سنت رسول ﷺ کی پیروی میں یہ مسند اِصلاحِ اَحوالِ اُمت اور اَمن و محبت کے فروغ کے لیے استعمال ہوتی رہی۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک اختلافی مسائل علمی حلقوں اور علماء کے دائروں تک محدود رہے، اُمت وحدت کی لڑی میں پروئی رہی لیکن جب ان اختلافات کو علمی اجتہاد و ارتقاء کی بجائے سیاسی مقاصد، منفعت برآری اور حصولِ جاہ و منزلت کے لیے استعمال کیا جانے لگا اور دوسرے مسلک سے تعلق رکھنے والوں کو بے جا طعن و تشنیع، عیب بینی اور نکتہ چینی کا نشانہ بنایا جانے لگا؛ اپنے سوا ہر ایک کو کافر، مشرک، بدعتی اور گستاخ جیسے القابات سے نوازا جانے لگا، تب سے اُمت مسلمہ کا شیرازہ بکھر کے رہ گیا ہے اور جسد اُمت پارہ پارہ ہو گیا ہے۔

آج اُمت مسلمہ اس تشدد کا بدترین شکار ہو چکی ہے اور جسدِ ملت میں فرقہ پرستی اور تفرقہ پروری کا زہر اس حد تک سرایت کر چکا ہے کہ اتحاد و یگانگت کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئی ہیں۔ ایسے حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ ایک کلی، معیاری اور جامع حکمت عملی ترتیب دی جائے اور گرد و پیش میں تیزی سے رونما ہونے والے حالات کی نزاکت اور سنگینی کا ادراک کرتے ہوئے اپنے درمیان سے نفرت، بغض، نفاق اور اِنتشار و افتراق کا قلع قمع کرکے باہمی محبت و مودّت، اخوت و یگانگت، یک جہتی اور اتحاد بین المسلمین کو فروغ دینے کی ہر ممکن سعی کی جائے جس کا مقصد عقیدے پر مبنی تشدد کا کلی خاتمہ ہو۔

وطن عزیز کے طول و عرض میں مذہبی انتشار اور قتل و غارت گری کے واقعات میں پریشان کن حد تک اضافہ ہوا ہے۔ پاکستان کے چاروں صوبے اس وقت علاقائی، گروہی، لسانی اور فرقہ وارانہ مسائل کا شکار ہیں۔ فرقہ واریت کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات میں ہزاروں گھرانے تباہ و برباد ہوئے اور لاکھوں لوگ اس آگ میں جل چکے ہیں۔ سندھ ایک عرصے سے لسانی کشیدگی کا شکار ہے۔ پنجاب، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں ایک عرصہ سے مذہبی کشیدگی اپنے عروج پر ہے اور کئی لوگ اس کے باعث قتل ہو چکے ہیں۔ اسی طرح کوئٹہ (بلوچستان) میں درجنوں خودکش حملوں میں ہزارہ قبیلے کے ہزاروں اہلِ تشیع افراد کا لقمہ اجل بننا فرقہ واریت کی منہ بولتی مثال ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کوئٹہ اور گلگت بلتستان میں اہلِ تشیع مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹروں، وکلاء، انجینئروں، علمی و ادبی شخصیات اور سرکاری ملازمین کی ٹارگٹ کلنگ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

حالیہ ادوار میں کی جانے والی تحقیقی رپورٹس کی روشنی میں ان لاتعداد اموات کا علم ہوتا ہے، جو دہشت گردی، قتل و غارت گری اور خودکش حملوں کے نتیجے میں واقع ہوئی ہیں۔ یہ حالات و واقعات پاکستان میں فرقہ واریت پر مبنی اختلافات کی بھیانک تصویر پیش کرتے ہیں۔ ان تمام خونی واقعات میں اگرچہ عالمی طاقتیں ایک اہم عامل کے طور پر کردار ضرور ادا کر رہی ہیں مگر ہمارے اپنے اندرونی حالات بھی اس کو ایندھن فراہم کرنے میں پیش پیش ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم آگے بڑھیں تاریخی تناظر میں فرقہ وارانہ تشدد کے رجحان کا پتہ لگانا اور تجزیہ کرنا ضروری ہے تاکہ ان مخصوص حالات و واقعات کی نشاندہی کی جا سکے جن کے باعث پاکستان کی سلامتی کو شدید خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔ فرقہ وارانہ تقسیم کو پروان چڑھانے میں مخصوص مذہبی رجحانات کا بنیادی کردار ہے۔ تجزیہ نگاروں کے نزدیک مذہب کی بنیاد پر دی جانے والی تحریک (motivation) ایک ایسا عنصر ہے جو ایک خاص رویہ، طرزِ عمل اور ایک عقیدہ یا خاص طور پر فرقہ پرستی کو جنم دے سکتا ہے جو عام طور پر برا یا تباہ کن اور سنگین ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ’دہشت گردی اور فتنہ خوارج‘ میں لکھتے ہیں:

تاریخِ اسلام میں انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کا پہلا گروہ جس نے انتہا پسندی (radicalism) اور عسکریت پسندی (militancy) کی ابتدا کرتے ہوئے اہلِ اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی تھی، اُمت کی طرف سے انہیں خوارج یعنی ’جماعت سے نکل جانے والے‘ کا نام دیا گیا۔ خوارج کی ابتداء دورِ نبوی میں ہی ہو گئی تھی۔ بعد ازاں دورِ عثمانی میں یہ فکری پروان چڑھے اور پھر دورِ مرتضوی میں ان کا عملی ظہور منظّم

صورت میں سامنے آیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ان خوارج کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی کثیر احادیث مبارکہ میں ان کی واضح علامات اور عقائد و نظریات بالصراحت بیان فرمائے ہیں۔ خوارج دراصل اسلام کے نام پر دہشت گردی اور قتل و غارت گری کرتے تھے اور مسلمانوں کے خون کو اپنے انتہا پسندانہ اور خود ساختہ نظریات و دلائل کی بناء پر مباح قرار دیتے تھے۔

مسلمانوں میں تقسیم اور اختلاف کا یہ جاری ہونے والا سلسلہ کئی ادوار گزر جانے کے باوجود بھی کم نہ ہوا بلکہ مسلسل بڑھتا رہا۔ برصغیر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسے کئی اکابر علماء نے اس شدت کو کم کرنے کی اصلاحی کوششیں بھی کیں مگر یہ معاملہ جوں کا توں رہا۔ افسوس! کہ انسانیت اور آفاقی اخوت کا علمبردار مذہب اندرونی اختلافات اور تنازعات سے نہیں بچ سکا۔ ایک ایسا مذہب جو دکھی انسانیت اور بکھرے ہوئے لوگوں کے لئے امن وسکون لانے کا باعث تھا خود اپنے ہی پیروکاروں کے ہاتھوں عدم برداشت اور اقتدار کی ہوس کے باعث پارہ پارہ ہو چکا ہے[1]۔ حتیٰ کہ ہندوستان کی تقسیم سے قبل بھی اس کی یہی صورت حال تھی جو بعد ازاں 1947ء میں قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں منتقل ہوئی۔ اکثر مسلم معاشروں میں یہ قوت و طاقت کے حصول کی کوشش کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

## ii۔ فرقہ واریت کی مختلف صورتیں

بلاشبہ شیعہ سنی اختلاف کی تاریخ صدیوں پرانی ہے۔ لیکن 9/11 کے واقعہ کے بعد جنگی و سیاسی منظر نامے نے اس اختلاف کو نئی جہت دی۔ عالمی سطح پر دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی جنگ میں پاکستان کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا اتحادی بننے کے بعد پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کے تحت افزائش پانے والے طالبان انتہا پسند اور متشدد گروہ کی صورت میں سامنے آئے۔ جو بعد ازاں اپنے ہی سربراہان اور مربیوں کے مدِ مقابل آن کھڑے ہوئے اور خیبر پختونخواہ (KPK)، سوات اور قبائلی علاقوں میں پاکستان سیکورٹی فورسز کے فوجی آپریشن کے بعد پرانے دوست سخت ترین دشمن بن گئے، جس کے باعث تشدد اور خون ریزی کے واقعات میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور یہ ایک معمول اور رسم بن گئی[2]۔ نہ صرف اہلِ تشیع بلکہ بعض انتہا پسند دہشت گرد سنی اور سلفی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں نے اہل السنۃ (صوفی مکتبہ فکر) سے تعلق رکھنے والی شخصیات اور مزارات کو بھی دہشت گردی کا نشانہ بنایا اور مقدس عبادت گاہیں مساجد وغیرہ بھی تشدد سے محفوظ نہ رہیں۔

متشدد نظریہ (Ideology of puritanism) سے فروغ پانے والے طالبان اور ان کے اتحادی دہشت گرد گروہ نے بڑے پیمانے پر تشدد کی کاروائیوں کے لیے عوامی جگہ کا استعمال کرتے ہوئے اپنے نظریہ کی تشہیر کی۔ سنی مکتبہ فکر کے ذیلی طبقات صوفیاء اور بریلوی ہیں جن پر پاکستان کی اکثریتی آبادی مشتمل ہے، جو امن پسند اور اسلام کے صوفی vision کے نمائندگان ہیں۔ ان پر حملہ کرنے کے ذریعے انتہا پسندوں اور دہشت گردوں نے فرقہ واریت کی راہ ہموار کی ہے۔ انہوں نے قوم کی تحمل و برداشت اعتدال پسندی، باہمی ہم آہنگی اور رہن سہن کی اقدار پر حملہ کیا[3]۔ ان کی جانب سے متشدد کارروائیاں عارضی اور وقتی نہیں ہیں بلکہ فرقہ وارانہ سیاست کے تحت انہیں منظم انداز میں ترتیب دیا گیا ہے۔ مشہور صوفی بزرگ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کے مزار پر دہشت گردانہ حملے کو دیوبندی اور بریلوی مکتبہ فکر کے تعلقات کے درمیان ایک حد بندی (watershed) گردانا جا سکتا ہے۔ (جاری ہے) ❀❀

(1) Ali, M. A. (2000). *Sectarian Conflict in Pakistan: A case study of Jhang* (Vol. 9). Regional Centre for Stratigic Studies.

(2) Stantley J. Tambiah(1996) *Leveling Crowds, Ethnonationalist conflicts and collective violence in South Asia, Berkeley, London*: University of California Press.

(3) ttp://www.theguardian.com/world/ 2012/oct/09/taliban- pakistan- shoot-girl-malala-yousafzai.

# لبرل ازم اور اس کے اثرات

## مغرب میں عورت کیساتھ نامناسب سلوک کے باعث آزادیٔ نسواں کی تحریک چلی

عبدالجبار قمر

ہمارے ہاں بعض اوقات سیاستدانوں، سماجی اداروں یا شخصیات کی جانب سے ملکِ پاکستان کو لبرل بنانے کی آوازیں یا عوامِ پاکستان کو لبرل بننے کی تلقین کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ لبرل ازم کیا ہے؟ اس کا پسِ منظر کیا ہے؟ اور اس نے مغربی و اسلامی معاشرے پر کیا اثرات مرتب کئے؟ زیرِ نظر تحریر میں اسی کو واضح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

لبرل ازم (Liberalism) ایک ایسی سوچ ہے جس میں ہر فرد اپنے نظام زندگی کو وضع کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس سوچ کے حامل افراد میں انسان کی بحیثیت فرد آزادی، ذاتی مصروفیات کے اظہار اور ترقی میں کسی بیرونی مداخلت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ خواہ یہ مداخلت مذہب کی طرف سے ہو یا ریاست کی طرف سے ہو۔ فرد اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں بالکل آزاد ہے۔ مذہب کے نام پر بے جا پابندیوں کے خلاف ردعمل کے طور پر اٹھنے والی تحاریک میں لبرل ازم بھی شامل ہے۔ جس کا بنیادی فلسفہ ہی انسان کی ہر طرح سے کلی آزادی ہے۔ بنیادی طور پر لبرل ازم کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان کا جو جی چاہے کرے لیکن اس حد تک جہاں آپ دوسروں کی آزادی میں مخل نہ ہوں۔

گویا لبرل شخص مذہب اور سیاست میں آزاد خیال ہوتا ہے اور مذہبی و سیاسی معاملات میں قدامت پسندی اور روایت پسندی کا پابند نہیں ہوتا۔

(آکسفورڈ انگلش اردو ڈکشنری، مرتب از شان الحق حقی، ص917)

## لبرل ازم کا پسِ منظر

چودھویں صدی عیسوی میں اٹلی سے شروع ہونے والی تحریک احیائے علوم (Reformation) کے اثرات یورپ میں پھیلنے سے یہ اصطلاح منظر عام پر آئی۔ برطانوی فلسفی John Locke (1602ء۔ 1704ء) پہلا شخص ہے جس نے لبرل ازم کو باقاعدہ ایک فلسفہ اور طرزِ عمل کی شکل دی۔

(انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، 10: 846)

لبرل ازم کی اصطلاح کو جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مغربی معاشرے کے اُس ماحول اور ان حالات کا جائزہ لیا جائے جن کے باعث یورپ/ مغرب میں لبرل ازم کی تحریک کا آغاز ہوا۔ ذیل میں ان چند اسباب کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

### ا۔ طبقاتی تقسیم

عام طور پر زمانہ وسطی (Medieval Era) پانچویں صدی عیسوی سے لے کر گیارھویں صدی عیسوی تک خیال کیا جاتا ہے۔ اس دور کو تاریک زمانہ (Dark Ages) کا نام دیا ہے۔ اس زمانے کے یورپی معاشرے میں طبقاتی تقسیم، توہم پرستی، ظالمانہ سزاؤں کا رواج اور جہالت عام تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ چرچ اور مذہب کی اجارہ داری تھی۔

☆ Ph.D سکالر۔ انچارج لائبریری فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور

علاوہ ازیں یورپی معاشرہ میں دولت کی غیر مساوی تقسیم اور اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے مختلف دیگر طبقات بھی وجود میں آئے:

دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے معاشرہ میں امیر و غریب کے درمیان بہت زیادہ فرق ہوگیا تھا۔ غریب لوگوں کا معاشرے میں کوئی قانونی مرتبہ نہیں تھا اور نہ ہی انہیں ان کے بنیادی حقوق میسر تھے۔

اس طبقاتی تقسیم کی وجہ سے مراعات یافتہ طبقہ اس طبقاتی تقسیم کو عمداً اختیار کیا گیا تھا۔ اس کے پیچھے یہ حکمت کارفرما تھی کہ معاشرہ میں ہر طبقہ اپنا کام کرتا رہے یعنی دفاع کے ذمہ داران اپنی ذمہ داری نبھائیں۔۔۔ عبادت والے صرف مذہبی معاملات تک رہیں۔۔۔ کاشت اور تجارت کرنے والے اپنے کام سے کام رکھیں۔۔۔ اور اس طرح ہر طبقہ اپنے کام پر مطمئن رہے۔

اس طبقاتی تقسیم نے محرومیوں کو جنم دیا اور عوامی محرومیوں کا ردعمل کئی صورتوں میں ظاہر ہوا۔ کسانوں نے بغاوتیں کیں۔ انفرادی طور پر محروم طبقہ کے لوگ ڈاکو بھی تھے لہذا ان ڈاکوؤں نے زمینداروں، جاگیرداروں اور امراء کے خلاف اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ اس طرح کرنے سے یہ عام لوگوں کے ہیرو بن گئے۔ حتی کہ خانہ بدوش طبقے ان کے گیت گاتے تھے۔

(مبارک علی، یورپ کا عروج، ص۶۵-۷۰)

## ۲۔ جاگیرداروں اور تاجروں کی باہمی چپقلش

لبرل ازم کی تحریک کے آغاز سے قبل یورپ کا ماحول یہ تھا یورپ نے اپنی جغرافیائی حدود کو بڑھانے کے لئے جنگوں کا ایک وسیع سلسلہ شروع کررکھا تھا۔ جاگیردار طبقہ نے اپنی جاگیروں میں اضافہ کے پیش نظر ان جنگوں پر بے حد سرمایہ کاری کی۔ جنگوں کے نتائج مختلف آنے کی صورت میں جاگیردار طبقہ کمزور جبکہ تاجر امیر ہوتے گئے۔ نتیجتاً معاشرے کا توازن بگڑا اور جاگیرداروں کے مقابلے میں تاجر، حکمرانوں کے پسندیدہ بن گئے جو ان جنگوں میں سرمایہ کاری بھی کرتے اور پیسہ ادھار بھی دیتے۔

## ۳۔ مذہبی طبقہ کے باہمی اختلافات

لبرل ازم کی تحریک کے آغاز سے قبل مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریہ عقیدہ، عمل اور اختیارات کے حوالے سے اختلاف رونما ہوا۔ مشرقی کلیسا کی The Holy orthodox Church اور مغربی کلیسا کی رومن کیتھولک چرچ کے نام سے تقسیم عمل میں آئی جس کی وجہ سے عوام کی مذہبی توجہات بھی تقسیم ہوگئیں۔ مذہب کے یہ علمبردار اپنے آپ کو اللہ کا نائب قرار دیتے ہوئے اپنے ہر حکم کے انکار کو اللہ کے حکم کا انکار قرار دیتے اور منکرین کو قتل کرنے کا حکم صادر کرتے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے آپ کو علم و معرفت کا واحد منبع قرار دیتے۔ نتیجتاً عوام مذہب کے ان علمبرداروں کے باہمی اختلافات، مذہبی تنازعات اور ان کے شدت پر مبنی رویوں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگے۔

## ۴۔ مذہبی طبقہ کی علم دشمنی

لبرل ازم سے قبل مغرب میں مذہب کے علمبردار سائنس کو حرام سمجھتے تھے اور سائنسی تحقیقات کو نہ صرف رد کرتے بلکہ ایسے محققین کو سخت ظالمانہ سزاؤں سے نوازا جاتا تھا۔ مذہب کو جامد اور من مانی تعبیر پہنا کر انسانی ترقی کا دروازہ بند کردیا گیا تھا۔ بعض وہ احکامات جو کتاب مقدس میں واضح طور پر موجود تھے اور ان کی حلت و حرمت بھی واضح تھی۔ اس میں بھی انہوں نے من پسند ترمیم کر ڈالی۔

اس وقت یہ صورت حال پیدا ہوچکی تھی کہ مذہب نے انسان کو جامد اور ناترقی پذیر قرار دے دیا تھا۔ جس کی بنیاد پر ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی اور جن لوگوں نے علم و فن کی ترقی میں حصہ لیا، انہیں نہ صرف یہ کہ مذہب کی بارگاہ سے ملعون و مردود قرار دے دیا گیا بلکہ انہیں سخت سے سخت سزاؤں میں بھی مبتلا کیا گیا۔

(تقی امینی، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر، ص:۳۹)

مذکورہ اسباب اور پس منظر کے نتیجے میں آزاد خیالی (Liberalism) اور روشن خیالی (Enlightenment) کی ایک ایسی فکری تحریک اٹھی جسے مغربی فلاسفہ نے روایت پسندی اور مقلدانہ طرز فکر کے مقابل اختیار کیا۔

آزاد خیالی کے متوازی چلنے والی درج ذیل دیگر تحریکات جو دراصل آزاد خیالی اور روشن خیالی ہی کے مختلف دھارے تھے،

سب کے پیش نظر روایت، مذہب اور تقلید سے بیزاری اور بغاوت تھی:

۱۔نشاۃ ثانیہ (Renaissance)

۲۔تحریک اصلاح علوم (Reformation)

۳۔تحریک عقلیت پرستی (Ratioinalism)

۴۔تحریک جدیدیت (Moderanism)

۵۔سیکولرزم (Secularism)

ان سب تحریکات کا مقصد ایک ہی تھا کہ فرد کو آخرت کی فکر اور کامیابی کے بجائے دنیا اور دنیاوی مفادات کے لئے سعی وجدوجہد کرنا چاہئے۔

## مغرب میں لبرل ازم کے اثرات

روشن خیالی کی اس تحریک کی مذہبی، سیاسی، سائنسی اور اخلاق حتی کہ جمالیات سے متعلق بھی کئی شاخیں نمو پذیر ہوئیں۔ اس تحریک نے خاص طور پر عقیدہ اور الٰہیات سے انسانی ذہن کو آزاد کرانے کی ذمہ داری لے لی تھی، لہذا الٰہیات اور چرچ کو للکارا گیا۔ اس کے بعد قدیم نظام کے سارے ادارے اس میں شامل ہوگئے۔ ہر طرح کے خیال یا تصور کو جانچ پڑتال کرکے سائنسی تحقیق کے متعلق کردیا گیا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں آزاد خیالی کی اصطلاح انگریزی ادب میں آئی اور اس صدی میں آزاد خیال کہلوانے والے کثیر تعداد میں پیدا ہوئے۔

(رمضان گوہر، افکار اقبال اور روشن خیالی، ص:۲۱)

لبرل ازم نے مغرب میں کیا اثرات مرتب کئے؟ آیئے ان کا جائزہ لیتے ہیں:

### ا۔تعلیمی اداروں پر اثرات

آزادانہ سوچ اور خیالات یورپ کے مراکز تعلیم میں نشوونما پاتے رہے۔ خاص طور پر آکسفورڈ کے سائنس سکول اور بعد ازاں آکسفورڈ یونیورسٹی اور دیگر شہروں میں قائم ہونے والے تعلیمی ادارہ جات اس کے مرکز ٹھہرے۔ اس سے وہ لوگ زیادہ متاثر ہوئے جو معاشرے کے اعلیٰ ترین طبقوں سے تعلق رکھتے تھے اور جن سے نوابوں اور فوجی عہدیداروں کا چناؤ ہوتا تھا۔ ان نوجوان ذہنوں نے جن کے اندر تحقیق اور آزادیٔ عمل کی روح بیدار ہوچکی تھی، اگلے چند سالوں میں متاثر کن کام کئے اور انسان کی آزادیٔ فکر اور آزادیٔ عمل کی سیاسی ترقی کی تاریخ میں اپنا نام چھوڑ گئے۔

(افضل الرحمٰن، شخصی آزادی، صفحہ:۳۲۱)

### ۲۔آزادی کی تحاریک پر اثرات

جب John انگلستان کا بادشاہ بنا، اس وقت آزادی کی تحریک طبقہ امراء، فوجی عہدیداروں، نوابوں، جاگیرداروں اور عوام الناس میں زور پکڑ چکی تھی۔ یعنی ذہنی طور پر عوام الناس نے اس تحریک کو کامل ترین صورت میں سمجھ لیا تھا اور لوگ اس کے لئے بالکل تیار تھے کہ کسی بھی وقت اپنے حقوق کے لئے اور اپنی آزادی کے لئے کوئی بھی کام کر گزریں۔ بعد ازاں یہ ہوا کہ King John کے آنے کے بعد فضا کچھ زیادہ ہموار ہوگئی اور لوگوں کے مطالبات بالکل محسوس ہونے لگے۔ کیونکہ وہ ایک ظالم، بے رحم اور خوفناک شخص تھا اور لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ نوابوں اور طبقہ امراء نے بادشاہ کو 1215ء میں اپنا منشور میگنا کارٹا Magna Karta پیش کیا۔ دنیا میں جو پارلیمانی نظام چل رہا ہے، وہ برطانوی پارلیمانی نظام سے اخذ شدہ ہے، جس کی ابتدا جون 1215ء میں میگنا کارٹا پر شاہ جان کے دستخطوں سے ہوئی اور اس نے تکمیلی شکل 1275ء اور 1295ء میں اختیار کرلی۔ میگنا کارٹا کے معاہدے اور اسی قسم کے دوسرے منشور جنہوں نے تاریخ میں شہرت حاصل کی، وہ لبرل ازم کی تحریک ہی کے باعث ہیں۔ (ایضاً، ص:۳۲۲)

### ۳۔ملکوں کی آزادی پر اثرات

آزادی کے فکری تخیلات اور فلسفیانہ تشریحات شروع ہوئیں۔ جنہیں بعد میں روسو اور برک نے لیا۔ انیسویں صدی میں ہیگل نے اور چند دیگر حضرات نے اس میں قوت پیدا کی اور اس کے عملی نتائج انیسویں صدی میں ظاہر ہوئے۔ یہ درست ہے کہ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ان آزادی پسند خیالات کے پھیلاؤ کا نتیجہ تھا کہ امریکہ کی آزادی کا منشور، فرانسیسی انقلاب کا منشور اور دیگر حقوق کے امریکی بل منظور کئے گئے۔ یہ تمام لبرل ازم اور روشن خیالی کی تحریک ہی کی بدولت منظر عام پر آئے۔

(ایضاً،ص:۲۵۵)

## لبرل ازم کے منفی اثرات

آزاد خیالی کی بدولت اگرچہ مغربی معاشرے نے بے حد ترقی کی لیکن بعد میں یہ ہر طرح کی پابندی کے خلاف ایک تحریک بن گئی جو بحر حال مستحسن قدم نہیں تھا۔ فلسفہ الحاد نے جس برق رفتاری سے دنیا میں ترقی کی، اس کی بڑی وجہ آزاد خیالی ہے۔ آغاز میں تو اس تحریک نے محض اس لئے سر اٹھایا تھا کہ اس کے ذریعے عوام کے ذہنوں کو مذہب کے ناروا بندھنوں اور نام نہاد حدود و قیود سے آزاد کرایا جائے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس آزاد خیالی نے ذہنی انارکی کی شکل اختیار کرلی اور اب روشن خیالی کے یہ معنی قرار پائے کہ انسان کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہونا چاہئے۔ خواہ وہ مذہب کی عائد کردہ ہو یا سماج کی۔ اس آزاد خیالی کی عملی انتہا یہ تھی کہ ہر وہ چیز جو پہلے سے چلی آتی ہو، چاہے اپنے اندر صداقت و افادیت کے کتنے ہی پہلو رکھتی ہو، اسے بہرحال رد کردینا اور اس کے مقابلے میں کوئی انوکھی اور نئی بات کہنا ہی روشن خیالی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(عبدالحمید صدیقی، انسانیت کی تعمیر نو اور اسلام، ص:۲۲)

## مسلم معاشرے پر لبرل ازم کے اثرات

مغربی روشن خیالی کے اہداف و مقاصد جنہوں نے مغربی معاشرہ کو متاثر کیا، اب خصوصی طور پر اسلامی معاشرہ ان کا ہدف بنا ہوا ہے۔ ان اہداف کے ذریعے ذہنی، تہذیبی اور اخلاقی تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہے۔ لبرل ازم نے جس طرح مغرب میں اپنے اثرات چھوڑے، اس طرح مسلم معاشرہ بھی اس کے اثرات سے نہ بچ سکا۔ ذیل میں مسلم معاشرے پر اس کے اثرات بیان کئے جارہے ہیں:

### ا۔تحریک آزادی نسواں

معاشرے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے روشن خیالی کے خاص اہداف میں سے تحریک آزادی نسواں نمایاں ہے۔ یہ تحریک بھی مغرب سے اٹھی اور آج اس کے خوش نما نعرہ کی بازگشت مسلم معاشرے کے اندر بھی سنائی دے رہی ہے۔ مغربی معاشرے میں عورت کے ساتھ جو نفرت آمیز سلوک روا رکھا جاتا تھا، اس کے ردعمل میں آزادئ نسواں کی تحریک شروع ہوئی۔

یورپ میں تحریک آزادی نسواں کا باقاعدہ آغاز فرانسیسی انقلاب کے فوراً بعد ہوا۔ فرانسیسی انقلاب کے مفکرین کے نزدیک مساوات مرد و زن کا کوئی تصور نہیں تھا۔ ان کے پیش کردہ مساوات کے نعرے آزاد اور جائیداد رکھنے والے مردوں کے سیاسی حقوق تک ہی محدود تھے۔ 1784ء میں فرانس کی انقلابی اسمبلی میں ایک رکن Condorcet نے اپنی تقریر میں مطالبہ کیا کہ شہریوں کے حقوق میں عورتوں کو بھی شامل کیا جائے۔ جس کے نتیجے میں اسے باغی قرار دے کر پھانسی دے دی گئی۔

(رفیق چودھری، مساوات مرد و زن، ص:۱۷)

تحریک آزادی نسواں نے مغربی خواتین کا جس طرح استحصال کیا اب ان کا اگلا ہدف مسلم خواتین ہیں۔ ایک سازش کے تحت عورت کے رخ نسوانیت سے اسلام اور نسوانیت کے اثرات کو مٹایا جارہا ہے۔ ایمان، عقیدہ، اعمال اور رویے منطقی طور پر شدت اور تیزی سے متاثر ہورہے ہیں۔ عورت کی فطرت اور مزاج تبدیل ہورہا ہے اور اس کے حقیقی مقام کی بنیادیں سرکنے لگی ہیں۔

اس وقت اس نام نہاد تحریک کی وجہ سے مسلم معاشرے میں فواحش کا بڑھتا ہوا رجحان دیکھنے میں آرہا ہے۔ آزادانہ اختلاطِ مرد و زن کے نقصانات ہر آئے روز عورت کے استحصال کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ علاوہ ازیں فیشن پرستی کا منہ زور سیلاب بھی لبرل ازم کے منفی اثرات کی منہ بولتی تصویر ہے۔

### ۲۔سیکولر نظام تعلیم

آزاد خیالی کی تحریک نے جہاں عالم اسلام کو دیگر شعبہ ہائے حیات میں متاثر کیا وہاں نظام تعلیم بھی اس کی دسترس سے نہ بچ سکا۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ نظام تعلیم روشن خیالی کا خاص ہدف رہا تاکہ ایک ایسی نسل تیار کی جاسکے جو اپنے مخصوص نظریہ حیات سے لاعلم ہو۔ اس قسم کی مادی تعلیم کا انتظام کیا جائے جس سے مادی ترقی تو کی جاسکے لیکن اخلاقی لحاظ سے یہ قوم بالکل دیوالیہ ہوجائے۔

ہمارے ہاں مروجہ نظام تعلیم اس لئے قائم نہیں کیا گیا کہ

مسلمانوں کے کلچر کو زندہ رکھنے اور ترقی دینے کے لئے اقدامات کئے جائیں بلکہ اس کے پیش نظر ایسے لوگ تیار کرنا ہے جو دین سے بیزار ہوں اور محض مادی ترقی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہوئے بغیر اخلاقی اقدار کے آگے بڑھتے جائیں۔ اس طرح کے لبرل و سیکولر نظام تعلیم نے ہماری جڑوں کو کھوکھلا کردیا ہے۔

## ۳۔سیاسی اثرات

پاکستان کا وجود دنیا کے نقشے پر اسلامی جمہوریہ کے حوالے سے ظہور پذیر ہوا۔ اسی بناء پر عالمی طاقتیں پاکستان میں ایسی سیاسی شخصیات کے سر پر ہاتھ رکھتی ہیں جو زیادہ لبرل بلکہ سیکولر ہوں تاکہ وہ ملکِ پاکستان کے حکومتی معاملات اور مذہبی تعلیمات کو الگ الگ کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ پاکستان کے موجودہ سیاسی حالات کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہمارے ہاں آج کی ''روشن خیالی'' کے نعرے کی بہت اچھی طرح سمجھ آجاتی ہے کہ یہ فکر کہاں سے درآمد ہوئی اور اس کے پیچھے کونسے مقاصد کارفرما ہیں۔

عالمی طاقتوں کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایسا لبرل اور سیکولر ذہنیت کا حکمران درکار ہے جو یہاں کے دینی عناصر اور دینی شعائر سمیت تمام دینی اقدار کو ختم کرنے کے درپے ہو اور لادینی افکار کا حکومتی سطح پر پرچار کیا جاتا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں آج اور اس سے بھی پہلے کئی ادوارِ حکومت میں حکمرانوں کی طرف سے دینی نظریات کا مذاق اڑائے جانے کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔

## ۴۔معاشرتی و اخلاقی اثرات

معاشرے کو سیکولر و لبرل بنانے کے لئے ایسی روایات اور اقدار کی حوصلہ افزائی سرکاری سطح پر بھی کی جارہی ہے، جس کے نتیجہ میں فحاشی عام ہو۔ المیہ یہ ہے کہ ایسی روایات معاشرے کے لئے کوئی صحت مند سرگرمیاں ہرگز نہیں ہیں بلکہ فکری لحاظ سے حیوانیت اور جنسی بے راہ روی کی طرف مائل کرنے کے اقدام ہیں۔ دراصل ''روشن خیالی'' کا وہ پورا خاکہ جو ہم نے اغیار سے مستعار لے رکھا ہے اس میں رنگ بھرنے کے لئے بھی اس کی دی ہوئی ثقافتی اقدار کو استعمال کیا جارہا ہے۔

ذرائع ابلاغ، ریڈیو، ٹی وی، اخبارات و جرائد اور فلموں کو بڑی منصوبہ بندی سے فکر و نظر کی گمراہیاں پھیلانے اور اسلامی اقدار کو مٹانے اور ان کا مذاق اڑانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے اور ان تمام کو لبرل ازم کا لازمی تقاضا قرار دیا جارہا ہے۔ مسلمانوں کی دینی اقدار اور پختہ عقائد کو بنیاد پرستی قرار دے کر نئی نسلوں کو اپنی پرانی نسل کے عقیدے اور ایمان سے بدظن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہمارے نوجوانوں کے فکری جذبہ تجسس سے فائدہ اٹھاکر فلمی کہانیاں اور ان کے کردار انہیں ایک ایسی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ ان میں اچھے اور برے اعمال کی تمیز اور احساس ہی ختم ہوجائے۔ جب روح کی پاکیزگی اور حیا جو ایمان کا خاصہ ہے، متزلزل ہوجائے تو انسان اور جانور کا فرق و امتیاز ہی مٹ جاتا ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے ثقافت کے نام پر بپا ہونے والا طوفان ہمارے معاشرے پر انتہائی زہریلے اثرات مرتب کررہا ہے۔

مغرب سے متاثر ہوکر ہمارے بعض ڈراموں اور پروگراموں میں ذومعنی فقرے، غیر اخلاقی مکالمے اور ناپسندیدہ مناظر سنانا اور دکھانا معمول ہے۔ الغرض لبرل ازم و سیکولرازم کو اپنانے کی دوڑ میں ہمارا معاشرتی و اخلاقی ڈھانچہ تباہی کا شکار ہوچکا ہے۔

ہمارے معاشرے میں مادر پدر آزادی کو لبرل ازم قرار دیا جارہا ہے۔ لبرل ازم کے فروغ کے لئے خواہ سیکولر نظام تعلیم ہو یا ہماری ثقافتی اقدار کو روندتا ہوا میڈیا، ان تمام نے ہمارے معاشرے کی صورت گری میں انتہائی منفی کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے کہ معاشرتی سطح پر دینی و اخلاقی کردار کی پسپائی کی بنیادی وجہ ''آزاد خیالی'' اور لادینیت کے رجحان ہیں۔

## نتیجہ بحث

لبرل ازم نے جہاں معاشرے پر مثبت اثرات مرتب کئے وہاں اس نے منفی اثرات بھی چھوڑے۔ مغرب میں جہاں لبرل ازم کی وجہ سے مغربی معاشرے میں سائنسی علوم میں ترقی ہوئی وہاں الحاد اور دین سے دوری کے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ اسی طرح یہ اثرات پوری دنیا میں پھیلے بالخصوص مسلم معاشرے پر اس نے گہرے منفی نقوش ثبت کئے۔

❀❀❀❀❀

شہدائے ماڈل ٹاؤن کی چوتھی برسی

# "ملزمان کو سرکاری عہدوں سے ہٹایا جائے"

## مکمل انصاف کیلئے شریف برادران اور حواریوں کی طلبی ضروری ہے

رپورٹ: نوراللہ صدیقی

17 جون 2018 کے دن شہدائے ماڈل ٹاؤن کی چوتھی برسی پر منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مرکزی سیکرٹریٹ میں قرآن خوانی کی گئی اور شہدائے ماڈل ٹاؤن کی بے مثال قربانیوں پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا اور حصولِ انصاف کیلئے قانونی جدوجہد پر اطمینان کا اظہار کیا گیا اور شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء، سانحہ کے چشم دید گواہان اور زخمیوں کی طرف سے انسداد دہشتگردی کی عدالت میں جرأت مندی کے ساتھ گواہیاں دینے پر انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری، سینئر رہنما و کارکنان شہدائے ماڈل ٹاؤن کو خراج تحسین پیش کرنے کیلئے بڑی تعداد میں جمع ہوئے، قرآن خوانی کے بعد پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے شہدا کی یادگار پر پھولوں کی چادر چڑھائی، دعا کی اور بعد ازاں میڈیا سے خصوصی بات چیت کی۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ایک اہم بات کی کہ قانون کو قاتل اور مقتول کے درمیان فرق کرنا ہوگا۔ انسداد دہشتگردی کی عدالت کی طرف سے 124 ملزمان طلب کئے گئے جن میں افسران بھی شامل ہیں۔ یہ افسران جو 17 جون 2014ء کے دن ماڈل ٹاؤن میں موقع پر موجود تھے اور اپنے ماتحتوں کو احکامات جاری کر رہے تھے اور احکامات دینے کی ویڈیوز بھی موجود ہیں جو انسداد دہشتگردی کی عدالت اور شریف برادران اور حواریوں کی طلبی کیلئے لاہور ہائیکورٹ کے فل بنچ کے روبرو بھی پیش کی جا چکی ہے۔ سانحہ میں ملوث ان افسران کو انکے عہدوں سے ہٹایا جائے کیونکہ یہ افسران اپنی سرکاری پوزیشنز کی وجہ سے کیس پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ قتل عام میں ملوث یہ افسران سرکاری لینڈ کروزرز میں عدالت کے احاطے میں داخل ہوتے ہیں، خصوصی سکواڈ اور پروٹوکول عملہ انکے دائیں بائیں ہوتا ہے، جب یہ افسران انسداد دہشتگردی کی عدالت کے مرکزی دروازے پر پہنچتے ہیں تو سرکاری عملہ اس انداز سے دروازہ کھولتا ہے جیسے مغل خاندان کے شہزادے اپنی راجدھانی کی سیر کو نکلے ہیں اور دربان انکے سامنے بچھتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح سیلیوٹ اور پروٹوکول کے ساتھ قتل عام میں نامزد یہ افسران انسداددہشتگردی کی عدالت میں داخل ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ عدالتوں میں قتل عام کے ہر ملزم کو اسی طرح پروٹوکول ملتا ہے جو سانحہ ماڈل ٹاؤن میں ملوث ملزمان کو مل رہا ہے؟ پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا یہ مطالبہ مبنی برحقیقت ہے کہ انہیں عہدوں سے ہٹایا جائے اور آئین کے آرٹیکل 10-A کے تحت فیئر ٹرائل کے تقاضے پورے ہونے چاہئیں۔ وہ برطرفی کا مطالبہ نہیں کر رہے ہیں انکا مطالبہ فقط اتنا ہے کہ جب تک کیس کا فیصلہ نہیں ہوتا تب تک انہیں اہم انتظامی پوزیشنز سے الگ کر دیا جائے۔

مستغیث جواد حامد انسداد دہشتگردی کی عدالت میں ہراساں اور نامعلوم افراد کی طرف سے تعاقب کئے جانے کی درخواست بھی دے چکے ہیں۔ اسی طرح سانحہ کا ایک چشم دید زخمی گواہ بھی انسداد دہشتگردی کی عدالت میں درخواست دے چکا ہے کہ سانحہ میں ملوث ایک پولیس افسر انکے گھر بندے بھجوا رہا ہے ،انہیں ہراساں کیا جارہا ہے، اور انہیں مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ گواہی دینے سے باز رہیں۔ ملوث پولیس افسران کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ وہ کمرہ عدالت میں کہتے ہیں کہ ہم صرف بندے بھیجتے نہیں کچھ اور بھی کرتے ہیں۔ ان سب دھمکیوں کا تعلق ملزمان کی سرکاری پوزیشنز کی وجہ سے ہے جسے وہ انصاف کا خون کرنے کیلئے استعمال کررہے ہیں۔

پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنی 17 جون کی پریس کانفرنس میں یہ بھی کہا کہ ہمارے کانوں میں محترم چیف جسٹس آف سپریم کورٹ کا یہ بیان بھی گونج رہا ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس سے متعلق لاہور ہائیکورٹ میں زیرسماعت درخواستوں کا فیصلہ 15 دن کے اندر کیا جائے۔ اس ضمن میں لاہور ہائیکورٹ میں شریف برادران اور حواریوں کی طلبی کے ساتھ سابق آئی جی پنجاب مشتاق سکھیرا کی رٹ پٹیشن کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔ مشتاق سکھیرا کو انسداد دہشتگردی کی عدالت نے بطور ملزم طلب کیا اور وہ اس طلبی کیخلاف لاہور ہائیکورٹ چلے گئے اور مسلسل ایک سال سے سٹے آرڈر پر ہیں۔ ان درخواستوں پر فیصلے مزید تاخیر کے بغیر ہو جانے چاہئیں۔ ان فیصلوں کے التواء کے باعث انسداد دہشتگردی کی عدالت میں جاری ٹرائل بھی کسی نہ کسی شکل میں متاثر ہورہا ہے۔ انسداد دہشتگردی کی عدالت میں دونوں طرف کے وکلاء اس پریشانی میں مبتلا ہیں کہ لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کے بعد ہوسکتا ہے کہ اے ٹی سی میں ٹرائل کا ازسرنو آغاز کرنا پڑے۔

سابق حکمران جو اس وقت گوچہ اقتدار سے رخصت ہو چکے ہیں اورانکے نزدیک نہ کوئی انسانی خون کی حرمت ہے اور نہ ہی انسانی خون کی حرمت کو یقینی بنانے کیلئے کام کرنیوالے انصاف کے اداروں کی کوئی حرمت ہے۔جسٹس باقر نجفی کمیشن کی رپورٹ پبلک کرنے کا حکم دینے والے سنگل بنچ کے فیصلے پر تاحال 100فی صد عمل نہیں کیا گیا۔ محض رپورٹ تو پبلک کر دی گئی مگر رپورٹ سے لف درجنوں دستاویزات اور بیان حلفی کی کاپیاں شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثا کو فراہم نہیں کی گئیں۔ یعنی قاتل حکمران تو چلے گئے مگر ان کی تعینات کردہ بیوروکریسی انکے جانے کے بعد کسی نہ کسی شکل میں ان کے برے اعمال اور اقدامات کو تحفظ دے رہی ہے۔

مذکورہ پریس کانفرنس کے دوران سربراہ عوامی تحریک نے یہ بھی کہا کہ محض شفاف الیکشن کروانا ہی نگران حکمرانوں کی واحد ذمہ داری نہیں ہے، آئین و قانون کے مطابق شہریوں کو انصاف فراہم کرنا بھی انکی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔نگران وزیراعلیٰ کوہوم سیکرٹری پنجاب کو یہ حکم دینا چاہیے کہ جسٹس باقر نجفی کمشن کی رپورٹ سے منسلک جملہ دستاویزات شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کوفراہم کی جائیں۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن محض حادثہ نہیں بلکہ پیشگی منصوبہ بندی کے مطابق وقوع پذیر ہوا۔شریف برادران نے اسکی منصوبہ بندی کی اور انہیں لحہ بہ لحہ صورت حال سے آگاہ رکھا گیا۔ 12 گھنٹے تک لاہور کا پوش علاقہ میدان جنگ بنا رہا اور آنسو گیس کی شیلنگ اور دھوؤں کے بادل میں گھرا رہا یہ محض حادثہ نہیں ہوسکتا۔سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ماسٹر مائنڈ شریف برادران ہیں، سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس کو انصاف کے ٹریک پر لانے کیلئے شریف برادران اور انکے حواریوں کی طلبی انصاف کا ناگزیرتقاضا ہے۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن سے قبل سانحہ کے دن اور سانحہ کے بعد کے واقعات اور شریف برادران کا رویہ ثابت کرتا ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کے ملزمان کو نہ صرف تحفظ دیا گیا بلکہ انہیں ترقیوں اور پرکشش پوسٹنگز سے نوازا گیا۔ وہ معمولی پولیس افسر اور اہلکار جنہیں پنجاب پولیس کی اپنی جے آئی ٹی نے سانحہ ماڈل ٹاؤن کا قصوروار ٹھہرایا تھا، انہیں بھی جیلوں سے نکلوا کر ان کی مرضی کے تھانوں میں تعینات کیا گیا۔ ہمارے مصدقہ ذرائع کے مطابق جب تک یہ اہلکار جیل میں رہے، ان کے گھروں میں خرچہ بھجوایا گیا اور ان کا مقدمہ کی فیسیں بھی

شریف برادران کی طرف سے ادا کی گئیں۔ سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس میں جیل میں بند ایک کانسٹیبل برملا کہتا رہا کہ سب جانتے ہیں یہ سارا کچھ کس نے کروایا اور ہمیں قربانی کا بکرا بنادیا گیا۔ اسی طرح ڈاکٹر توقیر شاہ جو سابق وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف کے پرنسپل سیکرٹری اور کار خاص تھے انہیں سانحہ کے فوری بعد سفیر بنا کر جنیوا بھیج دیا گیا۔ ان کی تقرری کے حوالے سے چیف جسٹس آف سپریم کورٹ نے نوٹس بھی لے رکھا ہے کہ وہ کس میرٹ پرسفیر کے منصب پر بٹھائے گئے؟ اور کیس کے فیصلے تک ڈاکٹر توقیر شاہ کو بیرون ملک جانے سے روک دیا گیا ہے۔ چیف جسٹس آف پاکستان کا یہ سوال بڑا صائب ہے کہ ساری عمر وزیر اعلیٰ کی نوکری کرنیوالے کو کس میرٹ کے تحت سفیر لگایا گیا؟ چیف جسٹس نے ایک موقع پر اہم ریمارکس بھی دیئے کہ ڈاکٹر توقیر شاہ کا نام بھی سانحہ ماڈل ٹاؤن کیس میں آ رہا ہے۔

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ سانحہ ماڈل ٹاؤن کی لمحہ بہ لمحہ کہانی کا ایک کردار ڈاکٹر توقیر شاہ ہے۔ ماڈل ٹاؤن میں بیریئرز ہٹانے کے حوالے سے جتنی بھی میٹنگز ہوئیں، ان میٹنگز میں شہباز شریف کی نمائندگی ڈاکٹر توقیر شاہ نے کی اور جتنا بھی راز و نیاز ہوا وہ ڈاکٹر توقیر شاہ کے ذریعے ہوا۔ ڈاکٹر توقیر شاہ نے جسٹس باقر نجفی کمشن کے روبرو اپنے بیان حلفی میں بھی اقرار کیا کہ وزیر اعلیٰ پنجاب نے 17 جون 2014ء کی صبح ان سے فون پر رابطہ کیا اور پولیس کو ہٹنے کا حکم دیا جو متعلقہ ذمہ داران تک پہنچا دیا گیا، حالانکہ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ جتنی شہادتیں بھی ہوئیں وہ اس ٹیلی فونک پیغام کے بعد ہوئیں۔

یہ سوال آج بھی جواب طلب ہے کہ اگر وزیر اعلیٰ پنجاب نے پولیس کو صبح ساڑھے 9 بجے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور وہ حکم متعلقہ حکام تک پہنچ گیا تو پھر پولیس نے پیچھے ہٹنے کی بجائے فائرنگ کر کے 100 لوگوں کو لہو لہان کیوں کیا؟ اور کیا وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے بعدازاں اس بات کی انکوائری کروائی کہ میرے حکم پر عمل کیوں نہیں کیا گیا؟ اس اہم سوال کا جواب جسٹس باقر نجفی کمیشن کی رپورٹ میں موجود ہے۔ کمیشن اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا کوئی حکم وزیر اعلیٰ کی طرف سے جاری ہونا سرے سے ثابت نہیں ہوا۔

ان شا اللہ تعالیٰ انصاف ہوگا۔ یہ بے گناہوں کا خون ہے، سر چڑھ کر بولے گا اور قاتل جتنے بھی عیار اور مکار سہی بالآخر پھندہ انکی گردنوں تک ضرور پہنچے گا۔ یہاں شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کے عزم و استقامت پر بھی خراج تحسین پیش کرنا ہو گا کہ جن کی ثابت قدمی کی وجہ سے یہ کیس آج بھی زندہ ہے۔ اسے داخل دفتر کرنے کیلئے قاتل ٹولے نے جتنی بھی کوششیں کیں، وہ سب ناکام ہوئیں۔ اس کیس کی ثابت قدمی کے ساتھ قانونی جدوجہد کی سرپرستی کرنے پر پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ اورتحریک منہاج القرآن کے بانی وسرپرست شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی قاتل ٹولے کی طرف سے کردارکشی کی گئی،تہمتیں لگائی گئیں،ڈیل کی بہتان طرازی کی گئی مگر اللہ کا شکر ہے کہ یہ سب پروپیگنڈا جھوٹ ثابت ہوا،الزام لگانے والوں کا منہ کالا ہوا اورکیس کی پیروی سے روکنے کے حوالے سے جتنے بھی ہتھکنڈے اختیار کیے گئے وہ سب بے کار ثابت ہوئے۔

آج شہید کارکنان کے حصولِ قصاص کا مطالبہ پوری طاقت کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور انصاف کی منزل ہر گزرتے دن کے ساتھ قریب تر ہو رہی ہے۔ یہاں پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری بھی لائق صد مبارکباد ہیں کہ جنہوں نے اپنے شہید کارکنوں کے حصول قصاص کی جدوجہد دن رات جاری رکھی اور کسی بھی مرحلہ میں قانونی جنگ کو کمزور نہیں پڑنے دیا۔شہدائے ماڈل ٹاؤن کے ورثاء کا ہرطرح سے خیال رکھا اوروسائل کی کمی کسی بھی مرحلے پر آڑے نہیں آنے دی گئی اور بہترین وکلاء کی ٹیموں کے ذریعے مقدمے کی کارروائی کو آگے بڑھایا۔ ان شا اللہ تعالیٰ بہت جلد مظلوموں کو انصاف ملے گا۔

# عالمی روحانی اجتماع

محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری جمعۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
LAHORE
JULY-2018
Regd CPL No.41

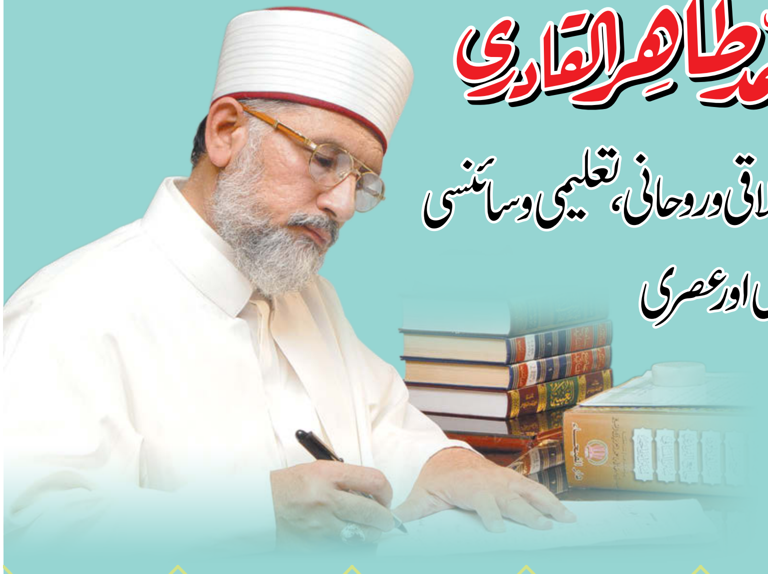

# شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کی اسلام کے علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی
فقہی و قانونی، انقلابی و فکری اور عصری
موضوعات پر 550
سے زائد کتب